۳۹٤

# لمعۃ الاعتقاد

تالیف

امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق

عبدالقادر ارناؤوط

اردو ترجمہ

ابوالمکرم بن عبدالجلیل

طباعت واشاعت

وزارت اسلامی امور واوقاف ودعوت وارشاد

مملکتِ سعودی عرب

# لمعة الاعتقاد

وزارتِ اسلامی امور و اوقاف و دعوت و ارشاد کی شائع کردہ

# لمعۃ الاعتقاد

تالیف

## امام موفق الدین ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ

تحقیق و تعلیق

## عبدالقادر ارناؤوط

اردو ترجمہ

## ابوالمکرم بن عبدالجلیل

وزارت کے شعبہ مطبوعات و نشر کی زیر نگرانی طبع شدہ

۱۴۲۱ھ

ح وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد، ١٤٢١هـ

**فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر**

المقدسي، عبدالله بن أحمد

لمعة الاعتقاد الهادي إلى سبيل الرشاد. ـ الرياض .

٨٨ ص ، ١٢ × ١٧ سم

ردمك : x ـ ١٥٧ ـ ٢٩ ـ ٩٩٦٠

(النص باللغة الأردية)

١ ـ الأسماء والصفات أ ـ العنوان

ديوي ٢٤١ ١٨/١٣١٢

رقم الإيـداع : ١٨/١٣١٢

ردمك : x ـ ١٥٧ ـ ٢٩ ـ ٩٩٦٠

الطبعة الرابعة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ از محقق

إن الحمد لله ، نحمـده ونستعينه ونستغفـره ، ونعوذ بـالله من شرور أنفسنا ومن سيئـات أعمالنا ، من يهده الله فـلا مضل له ، ومـن يضلل فـلا هـادي لــه ، وأشهـد أن لا إلـه إلا الله وحـده لا شريك له ، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله ، أما بعد :

زیر نظر کتاب "لمعۃ الاعتقاد" امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ مقدسی ثم دمشقی صالحی - رحمۃ اللہ علیہ - کی گرانقدر تصنیف ہے جو سلف صالحین - رضوان اللہ تعالیٰ علیہم - کے مسلک کے مطابق صحیح اسلامی عقیدے کا اختصار ہے- یہ کتاب عوام کے سامنے ہم ایسے وقت میں پیش کر رہے ہیں جب کہ مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح و تصحیح نیز عقائد کے سلسلہ میں کتاب و سنت کے چشمۂ صافی تک پہنچنے کے ہم سخت ضرورتمند ہیں-

یہ کتاب قرون مفضلہ کے مسلمانوں کے عقائد کی سچی تصویر پیش کرتی ہے جو انہوں نے اپنے ائمہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول - صلی اللہ علیہ وسلم - کی روشنی میں سیکھا تھا-

مؤلف۔ رحمہ اللہ۔ نے اس کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اسلاف کرام نے کس طرح سے اسلامی عقیدہ کی نشر و اشاعت کی' لوگوں کو اس کی طرف بلایا' اس کا دفاع کیا اور وہ اس کے لیے معتزلہ کی جانب سے پیش آنے والی کن کن آزمائشوں سے گذرے' وہ معتزلہ جنہوں نے عقل کو معیار بنانے اور اسے کتاب اللہ اور سنت رسول۔ صلی اللہ علیہ و سلم۔ پر مقدم کرنے کی ناروا کوشش کی تھی۔ ساتھ ہی مؤلف نے اس واقعہ کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ امام اذرمی (اذرمی ذال سے ہے جس پر نقطہ ہوتا ہے نہ کہ دال سے جیسا کہ غلطی سے بعض مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے) نے فتنہ خلق قرآن کے سرغنہ قاضی احمد بن ابی دواد معتزلی سے مناظرہ کرکے کس طرح اس کے دانت کھٹے کر دیئے' حتیٰ کہ قاضی احمد معتزلی کے خلاف امام اذرمی کے مسکت دلائل سننے کے بعد خلیفہ واثق باللہ کو یہ کہنا پڑا کہ جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کی سنت اور خلفائے راشدین کا طریقہ کافی نہ ہو اللہ اس کے لیے کبھی کافی نہ ہو۔ اس کی مراد سلف صالحین کا وہ عقیدہ ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اور آپ کے صحابہ کرام نیز تابعین عظام سے سیکھا تھا' اور وہی صحیح عقیدہ اور صراط مستقیم ہے جس کی ہر مسلمان کو پیروی کرنی چاہیئے' اور اسی کی روشنی میں زندگی گذارنی چاہیئے' اور یقیناً یہی سب سے درست اور سچا راستہ ہے۔

قاضی فضیل بن عیاض کا قول ہے کہ ہدایت کی راہ پر چلتے رہو' اس راہ پر چلنے والوں کی قلت تمہیں نقصان نہ پہنچائے گی' اور ضلالت کی راہ سے بچو' اور ہلاک ہونے والوں کی کثرت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

قرآن مجید نیز سنت رسول۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں اللہ تعالیٰ نے شریعت اسلام کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے' فرمایا :

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ﴾ (الحجر : ۹)۔

یعنی بیشک ہم نے یہ ذکر۔ قرآن کریم۔ اتارا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ہر جماعت کے ثقہ لوگ اس علم کے وارث ہوتے رہیں گے جو غلو کرنے والوں کی تحریف' اہل باطل کے انتساب اور جاہلوں کی تاویل سے اس علم کو پاک رکھیں گے"۔

## کتاب کے مختلف طبعات :

یہ کتاب سعودی عرب اور دمشق وغیرہ میں بارہا طبع ہو چکی ہے' سعودی عرب میں مطبوعہ کوئی ایڈیشن میری نظر سے نہیں گذرا' دمشق میں مکتبہ دارالبیان نے ۱۳۹۱ھ میں میری تحقیق کے ساتھ اس کتاب کو شائع کیا

تھا' بیروت میں المکتب الاسلامی سے بھی یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے لیکن یہ نسخہ غیر محقق ہے۔ کتاب کا کوئی مخطوطہ مجھے دستیاب نہ ہو سکا جس کی طرف میں رجوع کر سکوں' اس لیے میں نے نصوص کی حتیٰ المقدور تحقیق کی ہے' خصوصاً امام اَذرمی کے سلسلہ میں' جو کہ سنت کے حامی اور بدعتیوں کے خلاف زبردست مناظر تھے' تحقیق کے دوران میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ "اَذرمی" نقطہ والی ذال سے ہے نہ کہ دال سے' اور یہ نصیبین کے ایک گاؤں "اَذرمہ" کی جانب منسوب ہے' اور اسی نسبت کی وجہ سے امام اذرمی کو اذرمی کہا جاتا ہے' آپ کا صحیح نام ابو عبدالرحمن عبداللہ بن محمد بن اسحاق اَذرمی نصیبی جزری ہے۔ کتاب میں جس جگہ امام موصوف کا تذکرہ آیا ہے وہاں میں نے یہ وضاحت کر دی ہے اور ساتھ ہی ایک نوٹ لگا دیا ہے جس سے امام مذکور کی شخصیت نمایاں اور واضح ہو جاتی ہے' جنہوں نے تیسری صدی ہجری کے اوائل میں خلیفہ واثق باللہ کے سامنے قاضی احمد بن ابی دواد معتزلی کو سنت صحیحہ اور عقیدہ سلف کی روشنی میں دنداں شکن جواب دے کر خاموش کر دیا تھا۔

اس کتاب میں مذکورہ احادیث کی میں نے حاشیہ میں مختصر سی تخریج کر دی ہے اور بعض شخصیات کے حالات زندگی بھی ذکر کر دیئے ہیں' ساتھ ہی بعض کلمات کی وضاحت بھی کر دی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ کی ذات سے

امید ہے کہ کتاب کا یہ نسخہ سابقہ تمام نسخوں سے بہتر ہوگا' توفیق دینا اللہ کے اختیار میں ہے' اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہماری اس کوشش کو اپنی رضا وخوشنودی کا ذریعہ بنائے اور ہمیں عقیدہ صحیحہ اور صراط مستقیم پر گامزن رکھے' بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے اور بندوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دمشق : یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

خادم سنت
عبدالقادر ارناؤوط

# مؤلف کے حالات زندگی

از قلم

عبدالقادر اَرناؤوط

مؤلف کا نسب نامہ یہ ہے : امام وفقیہ' زاہد' شیخ الاسلام ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی مقدسی ثم دمشقی صالحی' رحمہ اللہ۔

آپ فلسطین کی مبارک سرزمین پر بیت المقدس کے قریب علاقہ نابلس کے شہر "جماعیل" میں شعبان ۵۴۱ھ میں پیدا ہوئے' یہ وہ زمانہ ہے جب بیت المقدس اور اس کے مضافات پر صلیبیوں کا قبضہ تھا' اس لیے آپ کے والد ماجد ابو العباس احمد بن محمد بن قدامہ' جو اس مبارک خاندان بلکہ اس مبارک سلسلۂ نسب کے سربراہ تھے' اپنے پورے خاندان کے ساتھ تقریباً ۵۵۱ھ میں بیت المقدس سے دمشق ہجرت فرما گئے' سفر ہجرت میں آپ کے دونوں بیٹے ابو عمر اور موفق الدین نیز ان کے خالہ زاد بھائی

عبدالغنی مقدسی بھی ساتھ تھے۔ مقدسی خاندان کے بیت المقدس سے دمشق ہجرت کرنے کے اسباب پر حافظ ضیاء الدین مقدسی کی ایک مستقل کتاب ہے۔ بہرحال آپ کے والد پورے کنبہ کے ساتھ دمشق میں مسجد ابو صالح میں مشرقی دروازہ کے پاس اترے' پھر دو سال کے بعد مسجد سے منتقل ہو کر دمشق کے اندر ہی صالحیہ کے کوہ قاسیون کے دامن میں سکونت پذیر ہو گئے۔ اس دوران امام موفق الدین قرآن مجید حفظ کرتے اور اپنے والد ماجد ابو العباس سے (جو کہ صاحب علم و فضل اور متقی و پرہیزگار شخصیت تھے) ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر دمشق کے علماء و مشائخ سے تحصیل علم کیا اور فقہ میں "مختصر الخرقی" وغیرہ زبانی یاد کر لی' مرحلۂ تحصیل علم میں آپ قدم بقدم آگے بڑھتے رہے' یہاں تک عمر کی بیس منزلیں طے کر لیں' پھر آپ نے طلب علم کے لیے بغداد کا سفر کیا' آپ کے خالہ زاد بھائی عبدالغنی مقدسی جو آپ کے ہمعمر بھی تھے اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے' امام موفق الدین شروع شروع میں تھوڑے عرصہ کے لیے بغداد میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے پاس ٹھہرے' شیخ کی عمر اس وقت تقریباً نوے سال تھی' امام موفق الدین نے شیخ عبدالقادر جیلانی سے "مختصر الخرقی" خوب سمجھ کر اور بڑی دقت نظر کے ساتھ پڑھا' کیونکہ دمشق میں آپ مذکورہ کتاب زبانی یاد کر چکے تھے۔ اس کے بعد ہی شیخ کی وفات ہو گئی تو

آپ نے ناصح الاسلام ابو الفتح شیخ ابن المنی کے شاگردی اختیار کرلی اور ان سے فقہ حنبلی اور اختلاف مسائل کا علم حاصل کیا' ان کے علاوہ ہبتہ اللہ بن الدقاق وغیرہ سے بھی آپ نے علمی استفادہ کیا۔ بغداد میں چار سال کا عرصہ گذارنے کے بعد آپ دمشق واپس تشریف لائے اور اہل و عیال کے ساتھ کچھ دن گذار کر ۵۶۷ھ میں پھر بغداد روانہ ہوگئے اور ایک سال تک شیخ ابو الفتح ابن المنی سے علم حاصل کرنے کے بعد دمشق واپس آگئے۔

۵۷۴ھ میں فریضۂ حج ادا فرمایا' پھر مکہ مکرمہ سے دمشق واپس آکر فقہ حنبلی کی مشہور کتاب "مختصر الخرقی" کی شرح "المغنی" کی تصنیف میں مشغول ہوگئے۔ کتاب "المغنی" فقہ اسلامی اور خصوصیت کے ساتھ فقہ حنبلی کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے' اسی لیے سلطان العلماء عز بن عبدالسلام نے کہا تھا کہ جب تک میرے پاس "المغنی" نہیں تھی اس وقت تک فتویٰ دینے میں مجھے مزہ نہیں آتا تھا۔

طلبہ آپ کے پاس حدیث و فقہ اور دیگر علوم پڑھتے تھے' ایک کثیر تعداد نے آپ سے فقہ میں کمال و دسترس حاصل کیا ہے' جن میں آپ کے بھتیجے قاضی القضاۃ شمس الدین عبدالرحمن بن ابی عمر اور ان کے طبقہ کے دیگر علماء بھی شامل ہیں۔

درس و تدریس کے ساتھ ہی آپ کا مختلف علوم و فنون میں تصنیف و

تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا' خصوصاً علم فقہ میں جس میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا' اس موضوع پر آپ کی متعدد تصنیفات اس کی شاہد عدل ہیں' علم فقہ میں آپ کی شخصیت بالکل نمایاں ہے اور میدان علم کے شہسوار آپ کے فضائل و مناقب اور علمی برتری کے گواہ ہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ کہتے ہیں کہ ملک شام میں اوزاعی کے بعد موفق الدین سے بڑا فقیہ نہیں آیا۔

امام ابن الصلاح۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ کہتے ہیں کہ موفق الدین جیسا عالم میں نے نہیں دیکھا۔

سبط ابن الجوزی کہتے ہیں کہ جس نے موفق الدین کو دیکھا اس نے گویا بعض صحابہ کو دیکھ لیا' ایسا لگتا تھا کہ انکے چہرے سے نور پھوٹ رہا ہے۔

بہرحال' آپ مختلف علوم و فنون کے امام تھے' آپ کے زمانہ میں آپ کے بھائی ابو عمر کے بعد آپ سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور بڑا عالم کوئی نہ تھا' عقائد اور زہد و تقویٰ میں آپ سلف صالحین کا نمونہ تھے' بڑے باحیا' دنیا ومافیہا سے بے رغبت' نرم گفتار' نرم دل' ملنسار' فقراء و مساکین سے محبت و ہمدردی کرنے والے' بلند اخلاق' فیاض و سخی' عبادت گذار' فضل و کرم والے' پختہ ذہن' علمی تحقیق میں سخت احتیاط برتنے والے' خاموش طبیعت' کم سخن' کثیرالعمل نیز بے شمار فضائل و مناقب کے مالک تھے'

انسان آپ سے ہم کلام ہونے سے پہلے محض دیکھ کر ہی آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

حافظ ضیاء الدین مقدسی نے آپ کی سیرت پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے' اسی طرح امام ذہبی کی بھی اس موضوع پر ایک کتاب ہے۔

امام موفق الدین ابن قدامہ۔ رحمہ اللہ۔ صرف علم و تقویٰ ہی کے امام نہ تھے' بلکہ آپ نے بطل اسلام صلاح الدین ایوبی کے ساتھ مل کر جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بھی ادا کیا ہے' آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ۵۸۳ھ میں جب صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کی سرکوبی نیز ان کی غلاظت سے فلسطین کی مبارک سرزمین کو پاک و صاف کرنے کے لیے مسلمانوں کو لیکر فوج کشی کی تو امام موفق الدین ابن قدامہ' ان کے بھائی ابو عمر' آپ دونوں کے تلامذہ اور خاندان کے کچھ دیگر افراد اس فتحیاب اسلامی پرچم کے تلے ہو کر عام مسلمانوں کے ساتھ مل کر فریضۂ جہاد ادا کر رہے تھے' آپ حضرات کا ایک مستقل خیمہ تھا جسے لے کر وہ مجاہدین کے ساتھ ساتھ منتقل ہوتے رہتے تھے۔

امام موصوف۔ رحمہ اللہ۔ نے علم فقہ نیز دیگر علوم میں بے شمار مفید کتابیں چھوڑی ہیں۔ چنانچہ علم فقہ میں "العمدة" مبتدی طلبہ کے لیے اور "المقنع" متوسط طبقہ کے طلبہ کے لیے' نیز "الکافی" اور "المغنی" لکھی

ہے ' "الکافی" میں دلائل کے ساتھ مسائل کو ذکر کیا ہے تاکہ طلبہ دلیل کی روشنی میں مسائل کا احاطہ اور پھر اس پر عمل کر سکیں ' اور "المغنی" جو "مختصر الخرقی" کی شرح ہے اس میں علماء کے مذاہب و آراء اور ان کے دلائل ذکر کیے ہیں ' تاکہ باصلاحیت علماء اجتہاد کے طریقوں سے واقف ہو سکیں۔ اصول فقہ میں آپ کی کتاب "روضتہ الناظر" ہے ' ان کے علاوہ مختلف علوم و فنون میں "مختصر فی غریب الحدیث" "البرھان فی مسالتہ القرآن" "القدر" "فضائل الصحابتہ" "المتحابین فی اللہ" "الرقتہ والبکاء" "ذم الموسوسین" "ذم التاویل" "التبیین فی نسب القرشیین" "مناسک الحج" اور زیر مطالعہ کتاب "لمعتہ الاعتقاد الھادی الے سبیل الرشاد" وغیرہ گرانقدر تالیفات ہیں۔

۶۲۰ھ میں بروز ہفتہ عیدالفطر کے دن آپ کی وفات ہوئی اور دمشق کے اندر صالحیہ کے کوہ قاسیون کے دامن میں جامع الحنابلہ کے بالائی جانب آپ کی تدفین عمل میں آئی ' رحمہ اللہ تعالیٰ۔

# لمعـــة الاعتقـــاد

## الهادي إلى سبيـــل الـــرشـــاد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فصل اول

## توحید اسماء و صفات کا بیان

تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس کی تعریف میں ہر مخلوق رطب اللسان ہے اور جو ہر زمانہ [1] کا معبود و مسجود ہے' کوئی جگہ اس کے علم سے باہر نہیں اور نہ ہی کوئی کام اسے دوسرے کام سے مشغول کر سکتا ہے' اشباہ و نظائر سے برتر و بالا اور جورو اور اولاد سے منزہ ہے' اس کا حکم تمام بندوں پر نافذ ہے' عقلیں اس کی مثال نہیں بیان کر سکتیں اور نہ ہی دل اس کی شکل و صورت کا نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴾ (الشوری : ۱۱)۔

اس کے مثل کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام اور عالی صفات ہیں۔

﴿ ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ۝٥ لَهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ ٱلثَّرَىٰ ۝٦ وَإِن تَجْهَرْ بِٱلْقَوْلِ فَإِنَّهُۥ يَعْلَمُ ٱلسِّرَّ وَأَخْفَى ﴾ (طہ : ۵-۷)۔

---

(۱) صرف ہر زمانہ ہی میں نہیں' بلکہ ہر جگہ اور ہر زبان میں اس کی عبادت و بندگی ہوتی ہے۔

وہ رحمٰن عرش پر مستوی [1] ہے' اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' اور جو زمین و آسمان کے درمیان ہے' اور جو مٹی کے نیچے ہے' اور اگر تم بات پکار کر کہو تو وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات اور اس سے بھی مخفی بات کو جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم ہر شئی کو محیط ہے' ہر مخلوق اس کے حکم اور غلبہ کے ماتحت ہے' اور اس کی رحمت اور اس کا علم ہر شئی کو عام ہے۔

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِۦ عِلْمًا ﴾

(طٰہ : ۱۱۰)۔

وہ لوگوں کا اگلا اور پچھلا سب حال جانتا ہے اور لوگوں کو اس کا پورا علم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام صفات عالیہ سے متصف ہے جو اس نے قرآن کریم میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر اپنے لیے ذکر کی ہیں۔

قرآن کریم میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کے اندر اللہ تعالیٰ کے لیے جو صفات عالیہ بیان کی گئی ہیں ان پر ایمان لانا اور اللہ

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا اسی انداز سے ہے جو اس کے شایان شان ہے۔

تعالیٰ کے شایان شان انہیں تسلیم کرلینا ضروری ہے' ان صفات کی تردید یا تاویل کرنے یا مخلوق کی صفات سے تشبیہ دینے یا ان کی تمثیل پیش کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جن صفات کے سمجھنے میں کوئی دقت پیش آتی ہو[1] ان کے بارے میں ضروری ہے کہ لفظی طور پر ان صفات کو ثابت مانیں اور ان کے معانی سے بحث نہ کریں' بلکہ اس کی ذمہ داری اس کے راویوں پر ڈالتے ہوئے اس کا صحیح علم اللہ اور رسول کے حوالہ کردیں' کیونکہ یہی راسخین علم[2] کا طریقہ ہے جن کی اللہ نے قرآن مجید میں یوں تعریف فرمائی ہے :

﴿ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِي ٱلۡعِلۡمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلّٞ مِّنۡ عِندِ رَبِّنَاۗ ﴾

(آل عمران : ۷)۔

راسخین علم (جو علم میں پختہ کار ہیں وہ) کہتے ہیں کہ ہمارا ان پر ایمان ہے' یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں۔

اس کے برخلاف جو لوگ قرآن مجید کی متشابہ آیات کی تاویل کے پیچھے

---

(۱) مثلاً مجمل ہونے کے سبب کسی صفت کا معنی واضح نہ ہو' یا خود پڑھنے والے کی سمجھ کا قصور ہو۔

(۲) راسخین علم سے مراد وہ حضرات ہیں جو قرآن مجید کی محکم اور متشابہ ہر قسم کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

پڑے ہوتے ہیں[1] ان کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَٰبَهَ مِنْهُ ٱبْتِغَآءَ ٱلْفِتْنَةِ وَٱبْتِغَآءَ تَأْوِيلِهِۦ ۗ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ﴾

(آل عمران : ۷)۔

جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں' اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں' حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے متشابہات کی تاویل کے پیچھے پڑنے کو دلوں کی کجی اور ٹیڑھ کی علامت بتایا ہے اور مذمت میں اسے فتنہ تلاش کرنے کے مساوی قرار دیا ہے' مزید برآں تاویل کرنے والوں کی جو خواہش اور تاویل سے ان کا جو مقصد ہوتا ہے اس کی یہ کہہ کر اللہ نے تردید کر دی ہے کہ " متشابہات کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث مثلاً "إن الله ينزل إلى سماء الـــدنيا" (اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے)۔ یا " إن الله

---

(۱) اور یہی گمراہ لوگ ہیں جو فتنے کی تلاش میں نیز لوگوں کو دین سے اور سلف صالحین۔ رضی اللہ عنہم۔ کے طریقہ سے باز رکھنے کے لیے متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔

یری فی القیامۃ" (قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا) اور اس قسم کی دیگر احادیث کے متعلق امام احمد بن محمد بن حنبل [1] - اللہ ان سے راضی ہو- فرماتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں' لیکن ان احادیث میں ثابت اللہ کی صفات کی کیفیت اور معنی متعین نہیں کرتے [2] اور نہ ہی کسی صفت کا انکار کرتے ہیں' ساتھ ہی اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بیان فرمایا ہے وہ برحق ہے' نیز ہم آپ کی کسی حدیث کی تردید کی جسارت بھی نہیں کرتے ہیں-

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے جو صفات بیان فرمائی ہیں ان کے علاوہ کسی اور صفت سے ہم اسے متصف نہیں کرتے' اور نہ ہی اس کے لیے حد اور انتہاء متعین کرتے ہیں :

---

(۱) آپ کے بچپن ہی میں آپ کے والد ماجد "محمد" کا انتقال ہو گیا اور دادا "حنبل" نے آپ کی پرورش فرمائی' اسی وجہ سے دادا کی طرف منسوب ہو کر آپ احمد بن حنبل کے نام سے مشہور ہوئے- امام احمد بن حنبل بغداد میں ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد ہی میں ۲۴۱ھ میں وفات پائی-

(۲) یعنی اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کا ظاہری معنی کے علاوہ اہل تاویل کی طرح کوئی اور معنی مراد نہیں لیتے-

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴾ (الشوری : ۱۱)۔
اس کے مثل کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اللہ نے جو بیان فرمادیا ہم اسی کے قائل ہیں اور جن صفات سے خود کو متصف کرلیا ہم انہی صفات سے اسے متصف مانتے ہیں اور اس سے تجاوز نہیں کرتے' اللہ کا وصف بیان کرنے والے حقیقت تک پہنچنے سے عاجز ہیں' قرآن کریم کے محکم و متشابہ ہر ہر حصہ پر ہمارا ایمان ہے' اللہ کی کسی بھی صفت کی اس وجہ سے نفی نہیں کرسکتے کہ بعض کم فہم لوگوں نے اسے قبیح گردانا ہے' قرآن و حدیث سے آگے بڑھنا ہمارا شیوہ نہیں [1]' ان صفات کی حقیقت ہم صرف اتنا جانتے ہیں جتنا قرآن کریم اور سنت رسول ۔صلی اللہ علیہ وسلم۔ سے ثابت ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی [2] ۔اللہ ان سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں کہ اللہ

---

(۱) اللہ تعالی نے جو صفت اپنے لیے ثابت کی ہے ہم اسے ثابت مانتے ہیں' اور جس کی نفی کی ہے ہم بھی اس سے اللہ کو پاک و منزہ جانتے ہیں' بایں طور کہ ان صفات کا معنی وہی ہے جو اللہ نے مراد لیا ہے' ہم اللہ کی کسی بھی صفت کی تاویل نہیں کرتے' بلکہ اس کا علم اللہ کے حوالہ کرتے ہیں۔

(۲) آپ کا نسب نامہ یہ ہے : محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف قرشی۔ آپ فلسطین کے مقام غزہ میں =

پر اور اللہ کی طرف سے جو کچھ وارد ہے اس پر میرا ایمان ہے' بایں طور کہ ان کا معنی و مطلب وہی ہے جو اللہ نے مراد لیا ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کچھ آپ سے ثابت ہے اس پر میرا ایمان ہے' بایں طور کہ ان کا معنی و مطلب وہی ہے جو آپ نے مراد لیا ہے[1]۔

سلف صالحین اور ائمہ امت۔ رضی اللہ عنہم۔ کا یہی مسلک تھا[2]' وہ سب اس بات پر متفق تھے کہ کتاب و سنت میں اللہ تعالیٰ کے لیے جو صفات بیان کی گئی ہیں ادنیٰ تاویل کے بغیر ان پر ایمان رکھا جائے' ظاہری معنی پر انہیں محمول کیا جائے اور اللہ کے لیے انہیں ثابت مانا جائے۔ ہمیں بھی انہیں اسلاف کے نقش قدم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دین کے نام پر ایجاد کی گئی بدعات سے روکا گیا ہے اور بدعات کو گمراہی بتایا گیا

---

= ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور مکہ مکرمہ میں نشو و نما پائی' مدینہ منورہ میں امام مالک۔ رحمتہ اللہ علیہ۔ سے علم حاصل کیا' دو مرتبہ بغداد کا سفر کیا اور ۱۹۹ھ میں مصر کے لیے روانہ ہوئے اور تادوفات (۲۰۴ھ) وہیں مقیم رہے۔

(۱) یعنی ان میں اپنی طرف سے کوئی کمی بیشی یا معنی میں کوئی تحریف و تبدیلی نہیں کرتے۔

(۲) یعنی کتاب و سنت میں مذکور اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت ماننا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے برخلاف ان صفات کی تاویل کرنے سے پرہیز کرنا۔

ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"تم میری سنت [1] اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین کے اندر ایجاد کئے گئے نئے نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے" [2]۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [3] فرماتے ہیں کہ سنت کی پیروی کرو اور

---

(۱) سنت کے معنی طریقہ کے ہیں، یہاں سنت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے، خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے۔

(۲) دیکھئے : مسند امام احمد ۴ / ۱۲۶، ۱۲۷ و سنن ابی داود، کتاب السنہ، باب فی لزوم السنہ (۴۶۰۷) وجامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ و اجتناب البدع (۲۶۷۸) سنن ابن ماجہ، مقدمہ (۴۲، ۴۳) و مستدرک حاکم ۱/ ۹۷، و سنن دارمی، مقدمہ، باب اتباع السنہ (۱/ ۴۴، ۴۵) بروایت عرباض بن ساریہ ابو نجیح رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور متعدد علمائے حدیث نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ترمذی نے بھی اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے، البتہ ان تمام روایتوں میں "المھدیین من بعدی" والے جملہ میں "من بعدی" کے الفاظ نہیں ہیں۔

(۳) آپ کی کنیت ابو عبدالرحمن ہے، آپ مکی تھے اور سابقین اسلام میں سے تھے، آپ ہی نے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کی تھی، ۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

بدعتیں نہ ایجاد کرو' کیونکہ دین تمہارے لیے کافی و مکمل کر دیا گیا ہے[۱]۔

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ[۲] کہتے ہیں کہ جہاں قوم[۳] ٹھہری ہے ہے وہیں تم بھی ٹھہر جاؤ' کیونکہ وہ علم و بصیرت کے ساتھ ٹھہرے ہیں' وہ گہرائی میں جانے پر زیادہ قادر تھے' اور اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو اس کے زیادہ حقدار تھے' اب اگر تم یہ کہتے ہو کہ ان کے بعد فلاں چیز ایجاد کی گئی ہے تو سمجھ لو کہ اسے ان لوگوں نے ایجاد کیا ہوگا جو اسلاف کے طریقہ کے مخالف اور ان کی سنت سے گریز کرنے والے ہوں گے۔ سلف نے اتنا بیان کر دیا ہے جتنا کافی و شافی ہے' اب ان سے آگے بڑھنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور پیچھے رہنا کوتاہی ہے' جیسا کہ ایک گروہ نے کوتاہی کی تو

---

(۱) یعنی اسلاف کرام نے دین کا کام پورا کر دیا ہے' لہٰذا اب دین کے اندر کسی پہلو کی تکمیل کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۲) آپ کی کنیت ابو حفص اور پورا نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم اموی قرشی ہے' خلیفۂ راشد پنجم کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت اور نشو و نما مدینہ منورہ میں ہوئی اور ۹۹ھ میں آپ کو خلیفہ مقرر کیا گیا' مدت خلافت کل ڈھائی سال ہے مگر خیر و برکت اور عدل و انصاف سے بھرپور ہے۔ ۱۰۱ھ میں ملک شام کے مقام "دیر سمعان" میں وفات پائی

(۳) قوم سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیز آپ کے اصحاب ہیں' کیونکہ عقیدہ و عمل کے سلسلہ میں ان کا موقف علم و بصیرت پر مبنی تھا۔

جفا کر بیٹھے اور دوسرے نے حد سے تجاوز کیا تو غلو کا شکار ہو گئے' حالانکہ افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ صراط مستقیم پر گامزن رہنا سلف کا طریقہ تھا۔

امام اوزاعی [1] - اللہ ان سے راضی ہو۔ فرماتے ہیں کہ آثار سلف کی پیروی کرو اگرچہ لوگ تمہیں چھوڑ دیں' اور لوگوں کی ذاتی آراء سے بچو اگرچہ لوگ اسے مزین کر کے کیوں نہ پیش کریں۔

امام محمد بن عبدالرحمٰن اذرمی [2] نے ایک شخص سے' جس نے ایک

---

(۱) آپ کی کنیت ابو عمرو اور نام عبدالرحمٰن بن عمر بن یحمد اوزاعی ہے' قبیلہ اوزاع سے تعلق رکھتے تھے اور فقہ و زہد میں پورے علاقہ شام کے امام تھے'۔بعلبک میں پیدا ہوئے' بقاع میں پرورش پائی اور بیروت کو اپنا مسکن بنایا اور ۱۵۷ھ میں بیروت ہی میں وفات پائی۔

(۲) کتاب کے مطبوع نسخوں میں اَدرمی ہی ہے' لیکن اس نام سے ان کی سوانح حیات موجود نہیں' غالباً یہ اَذرمی ہے جو جزیرہ میں نصیبین کی ایک بستی "اذرمہ" کی طرف نسبت ہے' جہاں سے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن محمد بن اسحاق اذرمی نصیبی جزری کا تعلق ہے' آپ نے وکیع الجراح' سفیان بن عیینہ اور عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم سے روایت حدیث کی ہے' جب کہ امام ابو داود' نسائی' عبداللہ بن احمد بن حنبل' ابن ابی الدنیا اور ابو علی موصلی وغیرہم آپ کے شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ خلیفہ واثق باللہ نے فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں اَذرمہ سے ایک شیخ کو بلایا جنہوں نے خلیفہ واثق کی موجودگی میں ابن ابی دواد معتزلی سے مناظرہ کیا' کہا جاتا ہے کہ شیخ کا نام اَذرمی تھا۔ =

بدعت ایجاد کی تھی[ا] اور لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دی تھی، فرمایا : کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا ابو بکر، عمر، عثمان اور علی۔ رضی اللہ عنہم۔ اس بات کو جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے؟ اس نے جواب دیا : نہیں، امام اَذرمی نے فرمایا : جو بات وہ لوگ نہیں جان سکے تم جان گئے؟ اس بدعتی نے فوراً بات بدل دی اور کہا کہ نہیں، بلکہ وہ لوگ یہ بات جانتے تھے، امام اَذرمی نے فرمایا : تمہارے بقول جاننے کے باوجود کیا ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ اس بات کو بیان نہ کریں اور لوگوں کو اس کی طرف نہ بلائیں؟ اس نے جواب دیا : کیوں نہیں ان کے لیے ممکن ہوا، امام صاحب نے فرمایا : جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے لیے ممکن تھی وہ تمہارے لیے ممکن نہیں؟ بدعتی

---

= مسعودی وغیرہ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ "معجم البلدان" میں اَذرمہ کی بحث ملاحظہ کیجئے، یاقوت نے انہی اذرمی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہی ہیں جنہوں نے فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں احمد بن ابی دواد معتزلی سے مناظرہ کرکے اسے خاموش ولاجواب کر دیا تھا۔

(ا) یہ شخص وہی احمد بن ابی دواد ہے جو معتزلہ کا مشہور قاضی اور فتنۂ خلق کا سرغنہ تھا، خلیفہ متوکل کے زمانہ میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور ۲۴۰ھ میں بغداد کے اندر اسی حالت میں مرگیا۔

سے پھر کوئی جواب نہ بن سکا اور خاموش ہو گیا۔ خلیفہ [1] اس مناظرہ میں موجود تھا وہ فوراً بول پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین کا طریقہ جس کے لیے کافی نہ ہو اللہ اس کے لیے کبھی وسعت و کشادگی پیدا نہ کرے' اور ایسے ہی وہ شخص جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابۂ کرام' تابعین عظام' ائمہ دین اور راسخین علم کا طریقہ یعنی آیات صفات کی تلاوت کرنا' احادیث صفات کا پڑھنا اور انہیں ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنا کافی نہ ہو اللہ اسے وسعت و فراخی سے محروم رکھے۔

جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ﴾ (الرحمٰن : ۲۷)۔

اور تیرے رب کا چہرہ [2] باقی رہے گا۔

---

(۱) یہ خلیفہ واثق باللہ تھا جس کا نام ہارون بن محمد ہے' فتنۂ خلق قرآن کے سلسلہ میں اس نے کتنے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور کتنے لوگوں کو قید کر کے ان کے عقیدے خراب کئے' ۲۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

(۲) سلف صالحین کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے "وجہ" (چہرہ) ثابت ہے' لہٰذا اللہ =

اور فرمایا :

﴿ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ ﴾ (المائدة : ٦٤)۔

بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

اور عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کہا :

﴿ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَآ أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ﴾ (المائدة : ١١٦)۔

جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے ' مگر جو تیرے دل میں ہے میں نہیں جانتا۔

نیز فرمایا :

﴿ وَجَآءَ رَبُّكَ ﴾ (الفجر : ٢٢)۔

اور آئے گا تیرا رب (اور فرشتے قطار در قطار)۔

اور فرمایا :

﴿ هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ ﴾ (البقرة : ٢١٠)۔

کیا وہ اسی کا انتظار کرتے ہیں کہ آئے ان پر اللہ (ابر کے سائبانوں میں)۔

---

= کے شایان شان اس کے لیے "وجہ" کو ثابت ماننا ضروری ہے ' بایں طور کہ اس کے معنی کو ظاہری مفہوم سے ہٹایا نہ جائے ' نہ اسے بے معنی کیا جائے ' نہ اس کی کیفیت بیان کی جائے اور نہ مخلوق سے تشبیہ دی جائے۔

اور فرمایا :

﴿ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُۚ ﴾ (المائدۃ : ۱۱۹)۔

اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

اور فرمایا :

﴿ يُحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّونَهُۥٓ ﴾ (المائدہ : ۵۴)۔

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

نیز کافروں کے بارے میں فرمایا :

﴿ وَغَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ ﴾ (الفتح : ۶)۔

اور اللہ ان پر غصہ ہوا۔

اور فرمایا :

﴿ ٱتَّبَعُواْ مَآ أَسۡخَطَ ٱللَّهَ ﴾ (محمد : ۲۷)۔

وہ اس طریقہ پر چلے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے۔

نیز فرمایا :

﴿ كَرِهَ ٱللَّهُ ٱنۢبِعَاثَهُمۡ ﴾ (التوبہ : ۴۶)۔

اللہ نے ان کا اٹھنا پسند نہ کیا۔

اور جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ینــــزل ربنا تبارك و تعالى كل ليلة إلى سماء الدنيا" (۱)

ہمارا رب جو بلند و بابرکت ہے، ہر رات آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔

نیز فرمایا :

"يعجب ربك من الشاب ليست له صبوة" (۲)

تمہارا رب اس نوجوان سے خوش ہوتا ہے جس کے اندر میلان نفس نہ ہو۔

---

(۱) دیکھئے : مسند امام احمد ۲/ ۲۶۴، ۲۶۷، ۲۸۲، ۴۱۹، ۴۸۷، ۵۰۴۔ و صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الدعاء و الصلاۃ من آخر اللیل (۳/ ۲۵، ۲۶) و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الترغیب فی الدعاء والذکر فی آخر اللیل (۷۵۸) و موطا مالک، کتاب القرآن، باب ماجاء فی الدعاء (۱/ ۲۱۴) و سنن ابی داود، کتاب السنہ، باب الرد علی الجہمیہ (۴۷۳۳) و جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی نزول الرب عزوجل الی السماء الدنیا کل لیلہ (۴۴۶) و سنن ابن ماجہ، کتاب اقامتہ الصلاۃ، باب ماجاء فی ای ساعات اللیل افضل (۱۳۶۶) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) مسند احمد ۴/ ۱۵۱، و معجم طبرانی کبیر ۱۷/ ۳۰۹ بروایت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔ البتہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں جو ضعیف ہیں۔ حافظ سخاوی اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں فرماتے ہیں کہ تمام نے "فوائد" میں اور قضاعی نے اپنی مسند میں ابن لہیعہ سے بروایت ابو عشانہ، عقبہ بن عامر کی یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے "ان الله ليعجب =

اور فرمایا :

"يضحك الله إلى رجلين قتل أحدهما الآخر ثم يدخلان الجنة" (۱)

اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں کو دیکھ کر ہنستا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا پھر دونوں کے دونوں جنت میں داخل ہو گئے۔

اور اسی طرح کی دیگر احادیث جو صحیح سند اور ثقہ راویوں سے مروی ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان کی تردید یا انکار یا خلاف ظاہر تاویل نہیں

---

= من الشاب الذی لیست له صبوة" امام سخاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسی طرح مسند احمد نیز مسند ابو یعلی (۳/ ۲۸۹) میں موجود ہے اور اس کی سند بھی حسن ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں ابن لہیعہ کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، سخاوی کہتے ہیں کہ ابو حاتم حضرمی کے "جزء" میں بروایت اعمش، ابراہیم نخعی کا یہ قول مروی ہے "کان یعجبهم ان لا یکون للشباب صبوة" اسلاف اس بات سے خوش ہوتے تھے کہ نوجوان کے اندر میلان نفس نہ ہو۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسدد بعد و یقتل (۶/ ۲۹، ۳۰) و صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب بیان الرجلین یقتل احدهما الاخر یدخلان الجنة (۱۸۹۰) و موطا مالک، کتاب الجہاد، باب الشہداء فی سبیل اللہ (۲/ ۴۶۰) و سنن نسائی، کتاب الجہاد، باب اجتماع القاتل و المقتول فی سبیل اللہ (۶/ ۳۸) بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

کرتے' اور نہ ہی اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں' اور یقین کے ساتھ یہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا شبیہ و نظیر نہیں۔

﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِۦ شَىْءٌ ۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْبَصِيرُ ﴾ (الشوریٰ : ۱۱)

اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں' اور وہ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔

ہر وہ شکل جو دل میں کھٹکے یا ذہن اس کا تصور کرے اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے۔

آیات صفات میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے :

﴿ ٱلرَّحْمَٰنُ عَلَى ٱلْعَرْشِ ٱسْتَوَىٰ ﴾ (طٰہٰ : ۵)۔

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا(۱)۔

اور یہ ارشاد بھی :

﴿ ءَأَمِنتُم مَّن فِى ٱلسَّمَآءِ ﴾ (الملک : ۱۶)۔

کیا تم نڈر ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے۔

---

(۱) اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا کتاب و سنت اور سلف صالحین کے اقوال سے ثابت ہے اور اللہ نے قرآن مجید کے اندر متعدد مقامات پر اپنے مستوی عرش ہونے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی :

" ہمارا رب وہ اللہ ہے جو آسمانوں میں ہے' اے اللہ تیرا نام بزرگ ہے"[1]۔

اور یہ حدیث بھی جس میں آپ نے لونڈی سے فرمایا تھا :

"اللہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا : آسمان میں' آپ نے فرمایا : اسے آزاد کردو' یہ مومنہ ہے۔" اسے مالک اور مسلم نیز دیگر ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے[2]۔

---

(۱) مذکورہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے "من اشتكى منكم شيا اواشتكاه اخ له فليقل : ربنا الله الذى فى السماء ....." اس حدیث کو امام احمد نے مسند (۶/۲۱) میں روایت کیا ہے' البتہ اس کی سند میں جہالت اور ضعف ہے' ابوداود نے بھی اس حدیث کو اپنی سنن میں کتاب الطب کے اندر (حدیث ۳۸۹۲ کے تحت) ذکر کیا ہے' اور حاکم نے مستدرک (۱/۳۴۴) میں۔ لیکن اس سند میں زیادہ ابن محمد انصاری ہیں جو متروک ہیں' جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ذکر کیا ہے' حافظ ذہبی نے اپنی کتاب "تلخیص" (۱/۳۴۴) میں کہا ہے کہ امام بخاری وغیرہ نے زیادہ کو منکر الحدیث قرار دیا ہے۔

(۲) دیکھئے : موطا امام مالک ۲/۷۷۶' ۷۷۷۔ و صحیح مسلم' کتاب المساجد' باب تحریم الکلام فی الصلاۃ و نسخ ماکان من اباحتہ (۵۳۷)۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث جس میں آپ نے حصین سے فرمایا تھا :

"تم کتنے معبود کی پرستش کرتے ہو؟ جواب دیا : سات معبودوں کی' چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں' آپ نے فرمایا : خوف ورجا کے وقت کس معبود کو پکارتے ہو؟ جواب دیا : جو آسمان میں ہے' آپ نے فرمایا : پھر زمین والے چھ معبودوں کو چھوڑ دو اور صرف آسمان والے کی عبادت کرو' اور میں تمہیں دو دعائیں بتاتا ہوں انہیں پڑھا کرو"۔

چنانچہ حصین اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں یہ دعا سکھائی "اللھم الھمنی رشدی وقنی شر نفسی"[1] -اے اللہ مجھے بھلائی کی راہ دکھا اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔

سابقہ آسمانی کتابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب

---

(۱) اس حدیث کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں ابواب الدعوات' باب ۷۰ (۳۴۷۹) کے تحت روایت کیا ہے' البتہ اس کی سند میں شبیب بن شیبہ تمیمی منقری ہیں جو صدوق ہیں' لیکن حدیث میں انہیں وہم ہو جاتا ہے' جیسا کہ حافظ ابن حجر نے "تقریب" میں ذکر کیا ہے' نیز اس سند میں حسن بصری ہیں جنہوں نے معنعن روایت کی ہے۔ اس کے باوجود امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حسن غریب ہے اور اس سند کے علاوہ دوسرے طریق سے بھی یہ حدیث عمران بن حصین سے مروی ہے۔

کرام کی جو نشانیاں مذکور ہیں ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ سجدے زمین پر کریں گے، مگر ان کا اعتقاد یہ ہوگا کہ ان کا معبود آسمان میں ہے۔

امام ابو داود نے اپنی کتاب "سنن" میں یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا فاصلہ اتنا اتنا ہے------ پھر آخر میں فرمایا : اس کے اوپر عرش ہے اور اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے[1]۔

یہ اور اس قسم کی دیگر صفات کی نقل و روایت نیز ان کی قبولیت پر اسلاف کرام کا اجماع ہے، انہوں نے ان صفات کی تردید یا تاویل یا تشبیہ و تمثیل کی کوشش نہیں کی۔

---

(۱) دیکھئے : مسند احمد ۱/۲۰۶، ۲۰۷، وسنن ابی داود، کتاب السنہ، باب فی الجھمیہ (۴۷۲۳، ۴۷۲۴، ۴۷۲۵) وجامع ترمذی، ابواب التفسیر، باب من سورۃ الحاقۃ (۳۳۱۷) وسنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب فیما انکرت الجھمیہ (۱۹۳)، البتہ سند میں عبد اللہ بن عمیرہ ہیں جو مجہول ہیں، اس کے باوجود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، ولید بن ابو ثور نے اسی طرح سماک سے مرفوعا روایت کیا ہے، نیز شریک نے اس حدیث کا بعض حصہ سماک سے موقوفا روایت کیا ہے۔

امام مالک بن انس رحمتہ اللہ علیہ [1] سے سوال کیا گیا کہ اے ابو عبداللہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ ٱلرَّحۡمَٰنُ عَلَى ٱلۡعَرۡشِ ٱسۡتَوَىٰ ﴾ (طٰہٰ : ۵)۔

رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

تو کس طرح مستوی ہوا؟ امام مالک نے فرمایا : استواء معلوم ہے [2] اور کیفیت غیر معقول ہے [3] اور اس پر ایمان لانا واجب ہے [4] اور کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ پھر امام مالک نے حکم دیا اور سوال کرنے والے شخص کو مجلس سے نکال دیا گیا [5]۔

---

(۱) آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام مالک بن انس بن مالک اصبحی حمیری ہے اور امام دارالہجرت کے لقب سے مشہور ہیں۔ ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں ولادت ہوئی اور ۱۷۹ھ میں مدینہ ہی میں وفات پائی۔

(۲) یعنی "استواء" کا معنیٰ معلوم ہے اور وہ ہے بلند ہونا۔

(۳) یعنی اللہ کے مستوی ہونے کی کیفیت کا ادراک عقل سے باہر ہے۔

(۴) اس پر ایمان لانا اس لیے واجب ہے کہ وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

(۵) تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ اعتقاد کے معاملہ میں کسی فتنے کا شکار نہ ہوں۔

# فصل دوم

## اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا بیان

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ کلام فرماتا ہے اور اس کا کلام ازلی ہے [1]، اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا کلام سناتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست اللہ کا کلام سنا، ان کے علاوہ جبریل علیہ السلام اور دیگر انبیاء و ملائکہ جنہیں اللہ نے اجازت دی انہوں نے بھی اس کا کلام سنا۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کلام فرمائے گا اور وہ اس سے کلام کریں گے، نیز اللہ کی اجازت کے بعد وہ اس کے دیدار سے بھی مشرف ہوں گے [2]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴾ (النساء : ۱۶۴)۔

اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے کلام کیا جس طرح کلام کیا جاتا ہے۔

---

(۱) یعنی کلام فرمانا اللہ کی ایک صفت ہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "وکلم اللہ موسی تکلیما" اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جس طرح کلام کیا جاتا ہے۔

(۲) یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس کو امام ترمذی نے اپنے جامع میں (حدیث نمبر =

دوسری جگہ فرمایا :

﴿قَالَ يَـٰمُوسَىٰٓ إِنِّى ٱصْطَفَيْتُكَ عَلَى ٱلنَّاسِ بِرِسَـٰلَـٰتِى وَبِكَلَـٰمِى﴾ (الاعراف : ۱۴۴)۔

اے موسیٰ میں نے تمام لوگوں پر ترجیح دے کر تجھے منتخب کرلیا ہے اپنا پیغام بھیجنے کے لیے اور ہمکلام ہونے کے لیے۔

اور فرمایا :

﴿مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ ٱللَّهُ﴾ (البقرۃ : ۲۵۳)۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا۔

اور فرمایا :

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ ٱللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَآئِ حِجَابٍ﴾ (الشوریٰ : ۵۱)۔

کسی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی (اشارے) کے طور پر یا پردے کے پیچھے سے۔

---

= ۲۵۵۲) اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں (حدیث نمبر۴۳۳۶) کے تحت روایت کیا ہے۔ البتہ اس کی سند میں عبدالحمید بن حبیب بن ابوالعشرین ہیں جو اوزاعی کے کاتب تھے' یہ صدوق ہیں اور کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ کاتب دیوان تھے اور صاحب حدیث نہ تھے۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب یعنی ضعیف بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا کچھ حصہ سوید بن عمرو نے اوزاعی سے روایت کیا ہے۔

اور فرمایا :

﴿ فَلَمَّآ أَتَىٰهَا نُودِيَ يَٰمُوسَىٰٓ ﴿١١﴾ إِنِّيٓ أَنَا۠ رَبُّكَ ﴾ (طه : ١١، ١٢)-

پھر جب آگ کے پاس پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ ! میں ہی تیرا رب ہوں-

نیز فرمایا :

﴿ إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي ﴾ (طه : ١٤)-

بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اس لیے میری ہی بندگی کر-

اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ یہ باتیں اللہ کے سوا کوئی اور کہے-

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے (فرشتے) اس کی آواز سنتے ہیں، یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے[1]-

---

(۱) اس حدث کو امام بخاری نے تعلیقاً اور ابن مسعود پر موقوف ذکر کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں "سمع اهل السموات شیئا" کہ آسمان والے کچھ سنتے ہیں- دیکھئے صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ : "ولا تنفع الشفاعة عنده الا لمن اذن له" (۱۳/ ۳۸۱)، البتہ ابو داود نے اپنی سنن میں کتاب السنہ، باب فی القرآن (۴۷۳۸) کے تحت "سمع اهل السماء صلصلة ......" کے الفاظ کے ساتھ موصولاً و مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی حسن ہے-

عبداللہ بن انیس [۱] سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اس حالت میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ، ننگے پیر، غیر مختون اور خالی ہاتھ ہوں گے، پھر سب کو ایک آواز سے پکارے گا جس کو قریب اور دور والے سب یکساں طور پر سنیں گے، فرمائے گا : میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بدلہ دینے والا ہوں"۔ اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے اور امام بخاری نے (باب کے تحت) بطور استشہاد ذکر کیا ہے [۲]۔

---

(۱) آپ کا پورا نام عبداللہ بن انیس جہنی اور کنیت ابو یحییٰ مدنی ہے، انصار میں بنو سلمہ کے حلیف تھے، ملک شام میں مشہور قول کے مطابق ۸۰ھ اور ایک ضعیف قول کے مطابق ۵۴ھ میں وفات پائی، رضی اللہ عنہ۔

(۲) امام بخاری نے اس حدیث کو مختصراً اور تعلیقاً ذکر کیا ہے دیکھئے : صحیح بخاری ۱۳/ ۳۸۳، ۳۸۴۔ لیکن اسی حدیث کو امام احمد نے مسند ۳/ ۴۹۵ میں، ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اور خود بخاری نے "الادب المفرد" میں عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطہ سے جابر رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی دوسری سند بھی ہے جسے طبرانی نے "مسند شامیین" میں اور تمام نے "فوائد" میں ذکر کیا ہے، اور وہ حجاج بن دینار عن محمد بن منکدر عن جابر کی سند ہے۔ ایک تیسری سند بھی ہے جسے خطیب بغدادی نے "الرحلہ" میں ذکر کیا ہے، اور وہ ابوالجارود العنسی عن جابر کی سند ہے۔ بہرحال یہ =

بعض آثار میں منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس رات آگ کو دیکھا تو آگ سے ڈر گئے' اللہ نے انہیں پکارا : اے موسیٰ ! آواز سن کر موسیٰ علیہ السلام کو قدرے تسلی ہوئی اور جلدی سے کہا : حاضر' حاضر' تیری آواز سن رہا ہوں مگر تجھے دیکھ نہیں رہا ہوں' تم کہاں ہو؟ فرمایا : میں تیرے اوپر ہوں اور سامنے ہوں اور دائیں ہوں اور بائیں ہوں۔ موسیٰ سمجھ گئے کہ یہ صفات تو اللہ ہی کی ہو سکتی ہیں' فوراً بول پڑے کہ میرے معبود ! تو یقیناً ایسا ہی ہے' لیکن کیا میں تیرا کلام سن رہا ہوں یا تیرے فرستادہ (فرشتے) کا؟ فرمایا : اے موسیٰ ! تم میرا کلام سن رہے ہو (۱)

---

= حدیث حسن ہے' مزید دیکھئے : فتح الباری (۱/۱۵۸'۱۵۹) باب الخروج فی طلب العلم' و(۱۳/۳۸۳)۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام سے متعلق آگ والی رات کا یہ قصہ مجھے کہیں نہیں مل سکا۔ واللہ اعلم۔ ویسے اس روایت میں اللہ کے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں صحیح نصوص سے ان کا ثبوت نہیں۔

# فصل سوم

# قرآن کریم کے بارے میں سلف کا عقیدہ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کلام کا ایک حصہ قرآن مجید بھی ہے' اور یہی اللہ کی کتاب مبین' حبل متین' صراط مستقیم اور اس کی نازل کردہ کتاب ہے' جسے جبریل امین۔ علیہ السلام۔ نے عربی زبان میں سید المرسلین۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ کے قلب پر نازل فرمایا تھا' یہ کلام جستہ جستہ اللہ کی طرف سے اترا ہے اور پھر اسی کی طرف لوٹ جائے گا' اور یہ مخلوق نہیں ہے' نیز یہ کلام محکم سورتوں' آیات بینات اور حروف و کلمات پر مشتمل ہے۔

جس نے اس کتاب قرآن مجید کو پڑھا اور اس میں غلطی نہیں کی تو ایک ایک حرف پر اسے دس دس نیکیاں ملیں گی (۱)' اس کتاب کا اول ہے اور

---

(۱) یہ جملہ ایک ضعیف حدیث سے ماخوذ ہے جسے امام طبرانی نے "اوسط" میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن کو درستگی کے ساتھ پڑھو' جس نے قرآن پڑھا اور پڑھنے میں غلطی نہیں کی تو اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں' اس کے دس گناہ معاف ہوئے اور دس درجے بلند ہوئے۔" اس حدیث کی سند میں ایک راوی نہشل بن سعید بن وردان الوردانی ہیں جو متروک ہیں' اور امام اسحاق بن راہویہ نے انہیں کذاب (جھوٹا) قرار دیا ہے' دیکھئے: مجمع الزوائد ۷/ ۱۶۳۔

آخر ہے' اور پارے اور اجزاء ہیں' زبان سے اس کی تلاوت ہوتی ہے اور کان اسے سنتے ہیں' یہ سینوں میں محفوظ اور مصاحف میں مکتوب ہے' نیز یہ محکم و متشابہ' ناسخ و منسوخ' خاص و عام اور امر و نہی پر مشتمل ہے۔

﴿ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴾ (فصلت : ۴۲)۔

اس پر نہ سامنے سے باطل آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے' یہ ایک حکیم و حمید کی نازل کردہ چیز ہے۔

اور فرمایا :

﴿ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾ (الاسراء : ۸۸)۔

کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے' چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

اور قرآن مجید ہی وہ عربی کتاب ہے جس کے بارے میں کفار نے کہا تھا :

﴿ لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ ﴾ (سبا : ۳۱)۔

اس قرآن پر ہم ہرگز ایمان نہیں لا سکتے۔

اور بعض نے کہا تھا :

﴿ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا قَوْلُ ٱلْبَشَرِ ﴾ (المدثر : ۲۵)۔

یہ تو بشر کا کلام ہے۔

جس کی تردید کرتے ہوئے اللہ سبحانہ نے فرمایا :

﴿ سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴾ (المدثر : ۲۶)۔

عنقریب میں ایسا کہنے والے کو جہنم میں جھونک دوں گا۔

نیز بعض لوگوں نے قرآن کے شعر ہونے کا دعویٰ کیا تو اللہ تعالیٰ نے تردید کرتے ہوئے فرمایا :

﴿ وَمَا عَلَّمْنَٰهُ ٱلشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُۥٓ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْءَانٌ مُّبِينٌ ﴾ (یٰس : ۶۹)۔

ہم نے نبی کو شعر نہیں سکھایا اور نہ ہی شاعری اس کو زیب دیتی ہے' یہ تو ایک نصیحت اور قرآن مبین (صاف پڑھی جانے والی کتاب) ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب اس کتاب کے شعر ہونے کی نفی کر دی اور اس کا قرآن ہونا ہی ثابت فرمادیا' تو اب کسی صاحب عقل کے لیے کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ قرآن ہی وہ کتاب عربی ہے جو حروف و کلمات اور آیات بینات پر مشتمل ہے' کیونکہ انہی صفات کے حامل کلام کو شعر کہا جاتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَادْعُوا شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ ﴾ (البقرۃ : ۲۳)۔

اور اگر تمہیں اس میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے یہ ہماری ہے یا نہیں' تو اس جیسی ایک ہی سورت بنا لاؤ اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو۔

ظاہر ہے کسی ایسی چیز کی مانند لانے کا چیلنج نہیں دیا جا سکتا جو چیز عقل و ادارک سے باہر ہو۔

نیز فرمایا :

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ءَايَاتُنَا بَيِّنَٰتٍ قَالَ ٱلَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَآءَنَا ٱئْتِ بِقُرْءَانٍ غَيْرِ هَٰذَآ أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِىٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِىٓ ﴾ (یونس : ۱۵)

جب انہیں ہماری واضح آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے' کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ' یا اس میں ترمیم کر دو۔ اے نبی ! آپ کہہ دیجئے کہ میرا یہ کام نہیں کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کروں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید ہی

وہ آیات بینات ہیں جو لوگوں کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا :

﴿ بَلْ هُوَ ءَايَٰتٌۢ بَيِّنَٰتٌ فِى صُدُورِ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْعِلْمَ ﴾

(العنکبوت : ۴۹)۔

دراصل یہ آیات بینات ہیں ان لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے۔

اسی طرح قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴾ (الواقعہ : ۷۷-۷۹)

یہ قرآن کریم ہے' ایک محفوظ کتاب میں ثبت ہے' جسے مطہرین کے سوا کوئی چھو نہیں سکتا۔

مزید فرمایا :

﴿ كٓهيعٓصٓ ﴾ (مریم : ۱)۔

﴿ حمٓ ﴿١﴾ عٓسٓقٓ ﴾ (الشوری : ۱)۔

اس طرح کل انتیس سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع فرمایا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جس نے قرآن پڑھا اور اس میں غلطی نہیں کی تو اسے ہر حرف کے

بدلے میں دس نیکیاں ملیں[۱] اور جس نے قرآن پڑھا اور اس میں غلطی کی تو اسے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملی"۔ یہ حدیث صحیح ہے[۲]۔

ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا :

"قرآن پڑھو قبل اس کے کہ وہ لوگ آئیں جو اس کے حروف کو تو تیر کی مانند سیدھا کریں گے (خوب بنا سنوار کر تجوید کے ساتھ پڑھیں گے) مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا' وہ قرآن پڑھ کر دنیا کا فائدہ چاہیں گے اور آخرت کے ثواب سے کوئی سروکار نہیں رکھیں گے[۳]۔

---

(۱) اس حدیث کو امام ہیثمی نے مجمع الزوائد (۷/ ۱۶۳) میں معجم طبرانی اوسط کے حوالہ سے ذکر کیا ہے' تفصیل کے لیے دیکھئے حاشیہ (۴۲)۔

(۲) مولف کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا درست نہیں' معجم طبرانی اوسط میں یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من قرا القرآن فأعرب بعضا ولحن بعضا کتب لہ عشرون حسنۃ ....." جس نے قرآن پڑھا اور بعض درست پڑھا اور بعض میں غلطی کی تو اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ اس حدیث کی سند میں عبدالرحیم بن زید عمی ہیں جو متروک ہیں' دیکھئے : مجمع الزوائد ۷/ ۱۶۳۔

(۳) یہ حدیث حسن ہے' دیکھئے : مسند امام احمد ۳/ ۱۴۶' ۱۵۵ بروایت انس' و ۳/ ۳۵۷' ۳۹۷ بروایت جابر' و ۵/ ۳۳۸ بروایت سہل بن سعد ساعدی۔ نیز دیکھئے : سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب ما یجزیء الأمی والأعجمی من القراءۃ (۸۳۱) بروایت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ صحت و درستگی کے ساتھ قرآن پڑھنا ہمارے نزدیک اس کے بعض حروف یاد کر لینے سے اچھا ہے۔

نیز علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا بھی انکار کیا اس نے پورے قرآن کا انکار کیا۔

اسی طرح تمام مسلمان قرآن مجید کی سورتوں' آیتوں اور اس کے الفاظ و حروف کے شمار کرنے پر متفق ہیں' اور اس بات پر بھی کہ جس نے قرآن کی کسی سورت یا آیت یا لفظ یا کسی حرف تک کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔ اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید حروف ہے۔

# فصل چہارم

## قیامت کے دن اہل ایمان کے اللہ کے دیدار سے مشرف ہونے کا بیان

اہل ایمان (قیامت کے دن)اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے [1]، اس سے ملاقات کریں گے، ہمکلام ہوں گے اور اللہ ان سے کلام فرمائے گا، ارشاد ہے :

﴿ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القیامہ : ۲۲، ۲۳)۔

قیامت کے روز کچھ چہرے ترو تازہ ہوں گے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور فرمایا :

﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ﴾ (المطففین : ۱۵)۔

ہرگز نہیں، یقیناً یہ قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رکھے جائیں گے۔

---

(۱) یہاں پر قیامت کے دن دیکھنا مراد ہے، کیونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "تم میں سے کوئی شخص بھی مرنے سے پہلے اللہ عزوجل کو نہیں دیکھ سکتا"۔ دیکھئے : صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر ابن صیاد (۲۹۳۱، ۹۵) و مسند احمد ۵/ ۳۲۴، و جامع ترمذی، حدیث (۲۲۳۶)۔

فاجروں کا اللہ کے دیدار سے بحالت غضب محروم رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ مومنین کو بحالت رضا اللہ کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا، ورنہ اللہ کے دیدار کے سلسلہ میں مومنوں اور فاجروں کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"قیامت کے دن تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو کہ اس کو دیکھنے میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی"۔ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے[1]

اس حدیث میں جو تشبیہ دی گئی ہے وہ صرف دیکھنے سے متعلق ہے، دیکھی جانے والی چیز میں تشبیہ مقصود نہیں، کیونکہ اللہ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو : مسند احمد ۴/ ۳۶۰، ۳۶۲، ۳۶۵، و صحیح بخاری کتاب التوحید، باب قول اللہ : "وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة" (۱۳/ ۳۵۱، ۳۵۷) و صحیح مسلم کتاب المساجد، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظۃ علیہما (۶۳۳) و سنن ابی داود کتاب السنہ، باب فی الرؤیۃ (۴۷۲۹) و جامع ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب تبارک و تعالی (۲۵۵۴) بروایت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔

# فصل پنجم

## قضاءوقدر کابیان

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرگذرتا ہے' اس کے ارادہ کے بغیر کسی شئے کا وجود نہیں' اوراس کی مشیت سے کوئی چیز باہر نہیں' کائنات کا ہر ذرہ اس کی تقدیر کے ماتحت اوراس کے حکم سے وجود پذیر ہوتا ہے' اس کی مقرر کردہ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں اور لوح محفوظ میں جو لکھا جاچکا ہے اس سے آگے بڑھنے کی گنجائش نہیں' کائنات میں لوگ جو کچھ کررہے ہیں وہ سب اللہ کے ارادہ سے ہے' وہ اگر بچانا چاہے تو لوگ اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرسکتے' اوراگر چاہے کہ سب اس کی اطاعت کریں توسب کے سب اس کی اطاعت کریں گے۔ اس نے مخلوق کو اوران کے افعال کو پیدا فرمایا ہے' اور ہر ایک کا رزق اور زندگی متعین کردی ہے' جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے ہدایت یاب کرتا ہے' اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت سے گمراہ کرتا ہے' فرمایا :

﴿ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴾ (الانبیاء : ۲۳)۔

وہ اپنے کاموں کے لیے کسی کے آگے جوابدہ نہیں' اور سب جوابدہ ہیں۔

اور فرمایا :

﴿ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ (القمر : ۴۹)۔

یقیناً ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔

مزید فرمایا :

﴿ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُۥ تَقْدِيرًا ﴾ (الفرقان : ۲)۔

اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

نیز فرمایا :

﴿ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي ٱلْأَرْضِ وَلَا فِيٓ أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَآ ﴾ (الحدید : ۲۲)۔

کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (نوشتہ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔

اور فرمایا :

﴿ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ (الانعام : ۱۲۵)۔

جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے، اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کے سینے کو

تنگ کر دیتا ہے۔

نیز ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے؟ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا :

"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی نازل کردہ کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یوم آخرت پر اور بھلی اور بری تقدیر (کے اللہ کی طرف سے ہونے) پر ایمان لاؤ"۔

یہ جواب سن کر جبرئیل نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے[1]۔

دوسری حدیث میں آپ۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نے فرمایا :

"ہر تقدیر پر میں ایمان لایا' خواہ وہ بھلی ہو یا بری' پسند ہو یا ناپسند"[2]۔

---

(۱) دیکھئے : صحیح مسلم 'کتاب الایمان' باب بیان الایمان و الاسلام والاحسان و وجوب الایمان باثبات قدر اللہ تعالٰی (حدیث ۸) بروایت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما۔

(۲) امام ہیثمی اپنی کتاب "مجمع الزوائد" (۱/ ۴۱) میں لکھتے ہیں کہ طبرانی نے معجم کبیر میں معتبر سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں : "الایمان ان تومن باللہ و ملائکتہ و کتبہ ورسلہ و الجنۃ والنار والقدر =

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی ہے جسے آپ نے اپنے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر میں پڑھنے کے لیے سکھلایا تھا : "وقني شر ما قضيت" (۱) یعنی اے اللہ ! تونے جو فیصلہ فرمادیا ہے اس کے شر سے مجھے محفوظ رکھ۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے اور محرمات و منہیات کا ارتکاب کرنے کے لیے ہم قضاو قدر کو بہانہ نہیں بناتے' بلکہ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کتابیں نازل کرکے اور رسولوں کو مبعوث فرماکر ہم پر حجت تمام کردی ہے۔ فرمایا :

﴿ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ﴾

(النساء : ۱۶۵)

---

خيره وشره وحلوه ومره من الله- یعنی ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' جنت و جہنم پر اور تقدیر پر ایمان لاؤ کہ بھلی و بری اور پسند و ناپسند تقدیر سب اللہ کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی "صحیح" (۲۱) میں نیز دار قطنی وغیرہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے' اور یہ حدیث صحیح ہے۔

(۱) سنن ابی داود' کتاب الصلاۃ' باب القنوت فی الوتر(۱۴۲۵'۱۴۲۶) و جامع ترمذی' ابواب الصلاۃ' باب ماجاء فی القنوت فی الوتر(۴۶۴) و سنن نسائی' کتاب قیام اللیل' باب الدعاء فی الوتر(۳ / ۲۴۸) نیز دیکھئے مسند امام احمد' طبرانی اور سنن بیہقی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

تاکہ رسولوں کو مبعوث کر دینے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔

ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کام کے کرنے یا کسی کام سے باز رہنے کا جو حکم دیا ہے' وہ اس بنیاد پر دیا ہے کہ بندے کے اندر حکم بجا لانے کی طاقت موجود ہے' اللہ نے کسی کو معصیت پر' یا ترک اطاعت پر مجبور نہیں کیا ہے' فرمایا :

﴿ لَا يُكَلِّفُ ٱللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرة : ٢٨٦)۔

اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔

اور فرمایا :

﴿ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن : ١٦)۔

اللہ سے ڈرو جتنا تم میں طاقت ہے۔

نیز فرمایا :

﴿ ٱلْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ لَا ظُلْمَ ٱلْيَوْمَ ۚ ﴾

(المومن : ١٧)۔

آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کی تھی' آج کسی پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔

مذکورہ آیت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ بندے کا اپنا عمل اور اپنی کمائی ہے جس پر اسے اچھے عمل کا اچھا' اور برے عمل کا برا بدلہ دیا جائے گا' اور یہ سارے اعمال اللہ تعالٰی کے فیصلہ کے مطابق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

# فصل ششم

## ایمان کی حقیقت

زبان سے اقرار کرنے' دل میں پختہ یقین رکھنے اور ارکان اسلام پر عمل کرنے کا نام ایمان ہے' جو نیکیوں سے بڑھتا اور معصیت سے گھٹتا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ ﴾

(البینہ : ۵)۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں' اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے' بالکل یکسو ہو کر' اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی درست دین ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بندگی' اخلاص نیت' نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کو دین قرار دیا ہے' نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ایمان کے تہتر سے زائد درجے ہیں' سب سے اعلیٰ درجہ اللہ کے

معبود برحق ہونے کی شہادت دینا' اور سب سے ادنیٰ درجہ راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے"[1]۔

اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قول و عمل دونوں کو ایمان قرار دیا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا ﴾ (التوبہ : ۱۲۴)۔

یعنی جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان میں ہر نازل ہونے والی سورت نے اضافہ ہی کیا ہے۔

مزید فرمایا :

﴿ لِيَزْدَادُوٓا إِيمَانًا ﴾ (الفتح : ۴)۔

یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت نازل فرمائی تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ وہ اور ایمان بڑھالیں۔

---

(۱) اس حدیث کو بخاری نے مختصراً اور مسلم نے مطولاً روایت کیا ہے' دیکھئے : صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب امور الایمان (۱/ ۴۸'۴۹) و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان عدد شعب الایمان و افضلھا (۳۵)' اس حدیث کا آخری ٹکڑا "والحیاء شعبۃ من الایمان" ہے۔ دیکھئے : فتح الباری (۱/۴۹) ایمان کی شاخوں کا بیان۔ مکمل تخریج کے لیے میری تحقیق کے ساتھ شائع شدہ کتاب "مختصر شعب الایمان" کی طرف رجوع کریں۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"ہر وہ شخص جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے دنیا میں "لا الہ الا اللہ" پڑھا ہو گا' اور اس کے دل میں گیہوں کے برابر' یا رائی کے برابر[1]' یا ذرہ کے برابر بھی ایمان ہو گا[2]۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے متعلق جو ارشاد فرمایا اس سے بھی ایمان کے کم و بیش یا چھوٹے اور بڑے ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

---

(۱) کہا جاتا ہے کہ چار ذرے ایک رائی کے برابر ہوتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری' کتاب الایمان' باب زیادۃ الایمان ونقصانہ (۱ / ۹۶' ۹۷) و کتاب التوحید' باب کلام الرب یوم القیامہ (۱۳/ ۳۹۶) و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب ادنی اہل الجنۃ منزلۃ فیہا (۱۹۳' ۳۲۵) نیز صحیح مسلم کی مذکورہ کتاب و باب میں (۱۹۳' ۳۲۹) یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن کہا جائے گا : "انطلق' فمن کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فاخرجہ من النار" جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہے اس کو جہنم سے نکال لو۔

# فصل ہفتم

## امور غیب پر ایمان لانے کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی ہے اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہوں تو ان پر ایمان لانا واجب ہے' خواہ ان باتوں کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہو یا نہ دیکھا ہو' ان واقعات کے برحق اور سچے ہونے پر ہمارا یقین ہے' چاہے ہماری سمجھ میں وہ آئیں یا نہ آئیں' اور چاہے ہم ان کی حقیقت سے واقف نہ ہو سکیں۔ مثلاً اسراء و معراج کا واقعہ' جو حالت بیداری میں پیش آیا تھا اور قریش نے جس کو ناممکن سمجھ کر انکار کر دیا تھا' حالانکہ وہ خواب کے منکر نہ تھے۔ اسی طرح یہ واقعہ کہ ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام نے اسے ایسا طمانچہ رسید کیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی' فرشتہ اللہ کے پاس واپس گیا تو اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی[1]۔

---

(۱) یہ حدیث صحیح بخاری' کتاب الانبیاء' باب وفاۃ موسیٰ (۶/ ۳۱۵'۳۱۶) میں' صحیح مسلم (۲/ ۲۳'۱۵۷'۱۵۸) میں نیز مسند احمد ۲/ ۳۱۵'۱۵۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے موقوف اور مرفوع دونوں طرح سے مروی ہے' علامہ شیخ احمد شاکر۔ رحمہ اللہ۔ "مسند" کے اندر حدیث (۷۶۳۴) کی تعلیق میں لکھتے ہیں کہ : اس حدیث کو ابن =

= حبان نے "ذکر خبر شنع بہ علی منتحلی سنن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم من حرم التوفیق لادراک معناہ" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے' اور پھر اس کے بعد فرمایا : اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بندوں کے لیے معلم بنا کر اور اپنی مراد کو بیان کرنے والا بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور اللہ کی آیات کو مجمل و مفصل ہر طریقہ سے بیان فرمایا' اور آپ کے صحابہ نے آپ کے پیغام اور بیان کو سمجھا۔ مذکورہ حدیث بھی ان احادیث میں سے ہے جن کا سمجھ میں آنا اہل حق کی استطاعت سے باہر نہیں' اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کا امتحان لینے کے لیے یہ حکم دے کر ان کے پاس بھیجا کہ اب اپنے رب کے پاس چلئے' اس حکم سے حقیقت مقصود نہ تھی بلکہ صرف امتحان مطلوب تھا' جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لینے کے لیے انہیں بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا' اس حکم سے بھی حقیقت مقصود نہ تھی بلکہ صرف امتحان مطلوب تھا' چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو قربان کرنے کا عزم مصمم کر کے اسے پیشانی کے بل گرا دیا تو اللہ نے ایک بڑی قربانی (دنبہ) فدیہ میں دے کر بچہ کو بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو انبیاء علیہم السلام کے پاس ایسی شکلوں میں بھیجا جو ان کے نزدیک غیر معروف تھیں' مثلاً ملائکہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو وہ انہیں پہچان نہ سکے اور ڈر گئے' جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے ایمان' اسلام اور احسان کے بارے میں سوالات کئے اور ان کے واپس جانے کے بعد آپ کو پتہ چلا کہ یہ جبرئیل تھے۔ اسی طرح ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو اس شکل میں نہیں آئے جسے موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے' موسیٰ بڑے غیرتمند تھے' جب انہوں نے اپنے گھر میں اجنبی =

---

= شخص کو دیکھا تو اسے طمانچہ رسید کر دیا' جس کے نتیجہ میں اس (فرشتہ) کی موجودہ شکل کے اعتبار سے آنکھ پھوٹ گئی' لیکن اس کی یہ فطری شکل نہ تھی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صریح حدیث موجود ہے' آپ نے فرمایا : "جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس دو مرتبہ مجھے نماز پڑھائی"۔ پھر اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ جبرئیل نے کہا" یہ (نمازوں کے لیے) آپ کا وقت ہے اور آپ سے پیشتر انبیاء کا بھی"۔ اس حدیث میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ ہماری شریعت بعض امور میں سابقہ شریعتوں کے موافق ہو سکتی ہے۔ ہماری شریعت میں یہ بات شامل ہے کہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہونے والے یا جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے میں کوئی حرج یا گناہ نہیں' جیسا کہ اس بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں' جنہیں ہم نے اپنی مختلف کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ یہی بات موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی رہی ہو' یعنی بلا اجازت گھر میں گھسنے والے کی آنکھ پھوڑ دینے کی اجازت رہی ہو' اور اسی کے مطابق موسیٰ نے اس اجنبی کی آنکھ پھوڑ دی ہو۔ پھر جب ملک الموت اللہ کے حضور واپس گئے اور موسیٰ کے ساتھ پیش آمدہ سارا ماجرا سنایا تو اللہ تعالیٰ نے دوسرا امتحان لینے کے لیے ملک الموت کو یہ حکم دے کر موسیٰ کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو : اگر آپ ابھی زندہ رہنا چاہتے ہیں تو بیل کی پشت پر ہاتھ رکھئے' ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہوں گے ہر بال کے بدلے ایک سال کی مہلت ہو گی۔ لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے جان لیا کہ یہ تو ملک الموت ہیں جو اللہ کی طرف سے موت کا پیغام لے کر آئے ہیں' تو خوشی کے ساتھ اس پیغام کو قبول کر لیا اور کوئی مہلت نہیں مانگی' بلکہ کہا ابھی روح قبض کرو۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ ہی یہ معلوم =

اسی طرح علامات قیامت پر ایمان لانا واجب ہے' مثلاً دجال کا ظاہر ہونا' پھر عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اتر کر اس کو قتل کرنا[1]' یاجوج و ماجوج کا نکلنا' دابۃ الارض کا نمودار ہونا' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا' اور اسی قسم کی دیگر نشانیاں جو صحیح سند سے ثابت ہیں۔

ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ قبر کی نعمت و آسائش اور قبر کا عذاب برحق ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کی ہے' اور

---

= ہو گیا ہوتا کہ یہ ملک الموت ہیں تو ضرور ان کا رویہ وہی ہوتا جو دوسری مرتبہ معلوم ہو جانے پر تھا۔ (اس طرح یہ واقعہ عقل سلیم بڑی آسانی سے قبول کر لیتی ہے) برخلاف ان لوگوں کے جو اپنی ناقص عقل اور الٹی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہہ بیٹھتے ہیں کہ اصحاب حدیث کی مثال تو لکڑی ڈھونے والوں کی ہے' وہ رطب و یابس سب کچھ اکٹھا کر لیتے ہیں' وہ روایتیں جمع کر لیتے ہیں جن سے کوئی فائدہ نہیں' وہ احادیث بیان کرتے ہیں جن پر کوئی اجر و ثواب نہیں' اور ایسی باتیں کہتے ہیں جن کی خود اسلام ہی سے تردید ہوتی ہے۔ ایسی بکواس کرنے والے احادیث و آثار کے علم سے بے بہرہ اور ان کے معانی سے قطعاً نابلد ہیں۔ دیکھئے فتح الباری ۶/ ۳۱۵ تا ۳۱۷۔

(۱) عیسیٰ بن مریم علیہما السلام آسمان سے نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے جیسا کہ صحیح مسلم میں کتاب الفتن و اشراط الساعۃ' باب ذکر الدجال (۷ ۲۹۳) کے تحت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' حدیث کے الفاظ ہیں : "فیطلبہ حتیٰ یدرکہ بباب لد فیقتلہ" عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ "باب لد" کے پاس پاکر اسے قتل کر دیں گے۔

مسلمانوں کو بھی ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے[1]۔

اسی طرح قبر کا امتحان و آزمائش برحق ہے، منکر و نکیر کا سوال کرنا برحق ہے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بھی برحق ہے، جب اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، ارشاد ہے :

﴿ فَإِذَا هُم مِّنَ ٱلْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴾

(یٰس : ۵۱)۔

یعنی صور پھونکا جائے گا اور یکایک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔

قیامت کے دن لوگ ننگے پاؤں، برہنہ جسم، خالی ہاتھ اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جائیں گے اور میدان محشر میں جمع ہوں گے، ہمارے نبی

---

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم میں سے کوئی تشہد میں بیٹھے تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے، یوں دعا کرے "اللھم انی اعوذ بک من عذاب جھنم و من عذاب القبر و من فتنۃ المحیا و الممات و من شر فتنۃ المسیح الدجال" اے اللہ ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب جہنم سے، عذاب قبر سے، زندگی موت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے فتنہ کے شر سے۔ دیکھئے : صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما یستعاذ منہ فی الصلاۃ (۵۸۸) و سنن ابی داود، کتاب الصلاۃ، باب ما یقول بعد التشہد (۹۸۳) و سنن نسائی، کتاب السہو، باب نوع آخر من التعوذ فی الصلاۃ (۳/۵۸)۔

صلی اللہ علیہ وسلم حساب وکتاب شروع ہونے کے لیے اللہ سے سفارش کریں گے' پھر اللہ تعالیٰ لوگوں کا محاسبہ فرمائے گا' کچہری لگے گی' میزان نصب کئے جائیں گے اور لوگوں کے عمل کے مطابق ان کے اعمال نامے ان کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں ملتے چلے جائیں گے۔

﴿ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ ﴿٧﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿٨﴾ وَيَنقَلِبُ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ مَسْرُورًا ﴿٩﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ وَرَآءَ ظَهْرِهِۦ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوا۟ ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴾ (الانشقاق : ۷-۱۲)۔

پھر جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا' اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔

میزان کے دو پلڑے ہیں اور درمیان میں ایک زبان (کانٹا) ہے' جس کے ذریعہ بندوں کے اعمال تولے جائیں گے۔

﴿ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٢﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴾ (المؤمنون : ۱۰۲'۱۰۳)۔

پھر جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے' اور جن کے

پلڑے ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہوں گے جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا' وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن کے لیے ایک حوض عطا کیا گیا ہے جس کا پانی دودھ سے سفید اور شہد سے میٹھا ہے' اور ستاروں کی گنتی کے برابر اس میں آبخورے ہیں' جسے اس حوض سے ایک گھونٹ پانی میسر ہو جائے گا اسے پھر کبھی پیاس نہ محسوس ہوگی[1]۔

اسی طرح پل صراط بھی برحق ہے' نیک لوگ اسے پار کر جائیں گے اور بدکار پھسل کر جہنم رسید ہو جائیں گے' رسول اللہ ﷺ اپنی امت میں سے اہل کبائر کے لیے شفاعت فرمائیں گے' چنانچہ اہل کبائر آگ میں

---

(۱) صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب فی الحوض (۱۱/ ۴۰۹ تا ۴۱۲) اور صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب اثبات حوض نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ (۲۲۹۲) میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا : "حوضی مسیرۃ شہر' ماؤہ أبیض من اللبن وریحہ أطیب من المسك وکیزانہ کنجوم السماء' من شرب منہ فلا یظمأ أبدا" میرے حوض کا رقبہ ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید' خوشبو مشک سے بہتر اور آبخورے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں' جو اس حوض سے پئے گا اسے کبھی بھی پیاس محسوس نہیں ہوگی۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں : "ماؤہ أشد بیاضا من اللبن وأحلی من العسل" اس حوض کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

جل کر کوئلہ ہو جانے کے بعد آپ کی سفارش کے بعد جہنم سے نکالے جائیں گے' اور پھر آپ کی شفاعت سے جنت میں داخل ہوں گے[1]۔ اسی طرح دیگر انبیاء' مومنین اور ملائکہ کو بھی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ٱرْتَضَىٰ وَهُم مِّنْ خَشْيَتِهِۦ مُشْفِقُونَ ﴾ (الانبیاء : ۲۸)۔

اور وہ کسی کے لیے شفاعت نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے حق میں شفاعت قبول کرنے پر اللہ راضی ہو' اور وہ خود اللہ کے خوف سے ڈرے رہتے ہیں۔ کافر کے لیے کسی کی بھی شفاعت کارگر نہیں ہوگی۔

ہمارا اس پر بھی ایمان ہے کہ جنت اور جہنم اللہ کی دو مخلوق ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوں گی' جنت اللہ کے نیک بندوں کی آرام گاہ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے' اور جہنم اللہ کے دشمنوں اور نافرمانوں کا ٹھکانہ ہے۔

---

(۱) شفاعت کے بارے میں بہت سی صحیح احادیث بخاری و مسلم وغیرہ میں مروی ہیں' سنن ابو داود اور جامع ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "میری شفاعت اپنی امت کے اہل کبائر کے لیے ہوگی"۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلْمُجْرِمِينَ فِى عَذَابِ جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴾ (الزخرف : ۷۴'۷۵)۔

بیشک مجرمین ہمیشہ جہنم کے عذاب میں مبتلا رہیں گے' کبھی ان کے عذاب میں کمی نہ ہوگی' اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے۔

قیامت کے دن موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان اسے ذبح کر دیا جائے گا' پھر یہ منادی کر دی جائے گی کہ "اے جنتیو ! جنت میں ہمیشہ کی زندگی ہے' اب اس کے بعد موت نہیں' اے جہنمیو ! جہنم میں ہمیشہ کی زندگی ہے' اب اس کے بعد موت نہیں"[1]۔

---

(۱) دیکھئے : صحیح بخاری' کتاب التفسیر' باب قولہ عزوجل : "وانذرهم يوم الحسرة" (۸/۳۲۵) و صحیح مسلم' کتاب صفۃ الجنۃ' باب النار یدخلھا الجبارون (۲۸۴۹) بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔

# فصل ہشتم

## متفرق اعتقادی مسائل کابیان

ہمارا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور سیدالمرسلین ہیں' آپ کی رسالت پر ایمان لائے اور نبوت کی شہادت دیئے بغیر کسی شخص کا ایمان درست نہیں ہو سکتا' قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے بعد ہی لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو گا' اور آپ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی' لواء الحمد آپ کے دست مبارک میں ہو گا' آپ ہی مقام محمود اور حوض کوثر سے نوازے جائیں گے' آپ تمام نبیوں کے امام و خطیب ہوں گے اور ان کے لیے تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے' آپ کی امت تمام امتوں سے بہتر اور آپ کے صحابہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصحاب سے افضل ہیں' آپ کی امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق ہیں' پھر علی الترتیب عمر فاروق' عثمان ذوالنورین اور علی مرتضیٰ ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم اس طرح کہتے تھے : ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی' اور آپ کو اس بات کی اطلاع

ہوتی تھی لیکن آپ نکیر نہیں فرماتے تھے[1]۔

علی رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی ہے انہوں نے فرمایا : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر' اور چاہوں تو تیسرے کا نام بھی بتادوں[2]۔

---

(۱) اصل کتاب میں اسی طرح ہے : "ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی....." ہیثمی نے بھی مجمع الزوائد (۹/ ۵۸) میں اسی طرح روایت کیا ہے اور معجم طبرانی کبیر' معجم طبرانی اوسط اور مسند ابو یعلی کا حوالہ دیا ہے' لیکن سنن ابی داود' کتاب السنہ' باب فی التفضیل (۴۶۲۸) میں اور جامع ترمذی' ابواب المناقب' باب ۵۸ (۳۷۰۷) میں یہ حدیث صرف لفظ "عثمان" تک مروی ہے (یعنی علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اس میں نہیں ہے)' صحیح بخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم' باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۷/ ۱۴) میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے : "کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنخیر ابابکر ثم عمر ثم عثمان رضی اللہ عنہم" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم لوگوں کا انتخاب کرتے تھے' چنانچہ ابوبکر کو منتخب کرتے' پھر عمر کو' پھر عثمان کو۔ رضی اللہ عنہم۔

(۲) اس روایت کو امام سیوطی نے "جامع کبیر" میں علی رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: "خیر ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابوبکر وعمر" اس امت میں نبی کے بعد سب سے افضل ابوبکر اور عمر ہیں۔ سیوطی نے اس حدیث کے لیے تاریخ ابن عساکر کا حوالہ بھی دیا ہے اور اس کا موقوف ہونا صحیح بتایا ہے' نیز سیوطی نے تاریخ حاکم کے حوالہ سے علی اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہے "خیر

نیز ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"انبیاء و رسل کے بعد ابو بکر سے افضل کوئی شخص نہیں جس پر سورج طلوع ہوا ہو یا غروب ہوا ہو"[1]۔

---

امتی بعدی ابوبکر وعمر" میرے بعد میری امت میں سب سے افضل ابوبکر و عمر ہیں۔ بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل ابی بکر (۷/ ۲۶) کے تحت محمد بن الحنفیہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ فرمایا : ابو بکر، میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: عمر، حالانکہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں عثمان کا نام نہ لے لیں، میں نے کہا عمر کے بعد پھر آپ ہیں؟ فرمایا : میں کیا ہوں، میں تو ایک عام مسلمان ہوں۔

دار قطنی میں ابو جحیفہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا : اگر چاہوں تو تمہیں عمر کے بعد سب سے افضل شخص کا نام بتا دوں۔ میں نہیں جانتا کہ اپنا نام ذکر کرنے میں انہوں نے شرم محسوس کی یا حدیث میں مشغول ہو گئے۔

(۱) اس حدیث کو ابو نعیم نے اپنی کتاب "الحلیہ" (۱۰/ ۳۰۱) میں روایت کیا ہے، البتہ اس کی سند میں اسماعیل بن یحیی تیمی ہیں جو کذاب ہیں۔ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" (۹/ ۴۳، ۴۴) میں اسی معنی کی ایک روایت جابر بن عبداللہ سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو درداء کو ابوبکر کے آگے آگے چلتے دیکھا تو فرمایا : "ابو درداء ! تم اس شخص کے آگے چل رہے ہو کہ انبیاء کے بعد اس سے افضل شخص پر سورج طلوع نہیں ہوا"؟ چنانچہ اس دن سے ابو درداء کبھی بھی ابوبکر کے آگے نہیں =

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیق - رضی اللہ عنہ - خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے' کیونکہ امت میں وہ سب سے افضل اور سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھانے کے لیے اپنی زندگی میں انہی کو آگے بڑھایا تھا' نیز ان کو آگے بڑھانے اور ان کی خلافت پر بیعت کرنے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا' اور اللہ تعالیٰ صحابہ کی مقدس جماعت کو ضلالت پر اکٹھا نہیں کر سکتا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عمر رضی اللہ عنہ تھے' کیونکہ خلیفۂ اول کے بعد صحابہ میں وہ سب سے افضل تھے' نیز خلیفۂ اول نے انہیں خلافت کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عثمان رضی اللہ عنہ تھے' کیونکہ خلیفۂ دوم کے بعد (وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے نیز) مجلس شوریٰ نے انہی کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔

---

= چلے۔ ہیثمی نے دونوں روایتیں طبرانی کی جانب منسوب کی ہیں۔ پہلی روایت میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی ہیں جو کذاب ہیں اور دوسری روایت میں بقیہ ہیں جو مدلس ہیں' دیکھئے : محب طبرانی کی کتاب " الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ " ابو بکر کی فضیلت کا بیان۔

عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار علی رضی اللہ عنہ تھے' کیونکہ خلیفۂ سوم کے بعد وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے اور امت مسلمہ کا ان کے خلیفہ بنائے جانے کا متفقہ فیصلہ تھا۔

یہی چاروں خلیفہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں' جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :

"تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ' اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو"[۱]۔

نیز فرمایا تھا :

"میرے بعد خلافت تیس (۳۰) سال تک رہے گی"[۲]۔

---

(۱) اس حدیث کی تخریج گذر چکی ہے' دیکھئے حاشیہ (۱۳)۔

(۲) دیکھئے : مسند امام احمد ۵ / ۲۲۰' ۲۲۱' و سنن ابی داود' کتاب السنہ' باب فی الخلفاء (۴۶۴۶' ۴۶۴۷) و جامع ترمذی' ابواب الفتن' باب ماجاء فی الخلافہ (۲۲۲۷) بروایت سفینہ۔ امام ترمذی فرماتے ہیں : یہ حدیث حسن ہے' اس کو سعید بن جمہان سے ایک سے زائد لوگوں نے روایت کیا ہے اور اسے ہم سعید بن جمہان ہی کے واسطہ سے جانتے ہیں ؟ اس باب میں عمر اور علی۔ رضی اللہ عنہما۔ سے مروی ہے' انہوں نے فرمایا : خلافت کے تعلق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی عہد نہیں لیا۔ میری رائے میں بھی مذکورہ حدیث حسن ہے۔

چنانچہ خلیفۂ چہارم علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس حدیث میں مذکور خلافت کا آخری زمانہ تھا۔

صحابہ میں سے "عشرہ مبشرہ" کے جنتی ہونے کی ہم شہادت دیتے ہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے' فرمایا :

"ابوبکر جنت میں ہوں گے' عمر جنت میں ہوں گے' عثمان جنت میں ہوں گے' علی جنت میں ہوں گے' طلحہ جنت میں ہوں گے' زبیر جنت میں ہوں گے' سعد جنت میں ہوں گے' سعید جنت میں ہوں گے' عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہوں گے اور ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہوں گے"(1)

عشرہ مبشرہ کے علاوہ بھی جن صحابہ کے جنتی ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں' مثلاً حسن اور حسین کے بارے میں آپ نے فرمایا :

---

(1) جامع ترمذی' ابواب المناقب' باب احد العشرۃ المبشرین بالجنہ (۳۷۴۸) بروایت عبدالرحمٰن بن عوف' امام ترمذی فرماتے ہیں : یہ حدیث اسی طرح سعید بن زید کے واسطہ سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے' اور یہ پہلی حدیث سے زیادہ صحیح ہے' سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث سعید بن زید ہی کے واسطہ سے مروی ہے' اور یہ حدیث صحیح ہے۔

"یہ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں"[1]۔

اسی طرح ثابت بن قیس کے بارے میں فرمایا:

"یہ جنتیوں میں سے ہیں"[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کے جنتی یا جہنمی ہونے کی خبر دی ہے ان کے علاوہ اہل قبلہ میں سے کسی بھی شخص پر ہم اس کے جنتی یا جہنمی ہونے کا حکم نہیں لگاتے' البتہ نکوکاروں کے لیے اللہ کی رحمت کی امید رکھتے اور بروں کے لیے اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں' اہل قبلہ میں سے محض گناہ کی وجہ سے ہم کسی کی تکفیر نہیں کرتے' اور نہ ہی کسی عمل کے سبب اسے دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

ہمارا اعتقاد ہے کہ حج اور جہاد کا حکم ہر امام کے ساتھ باقی ہے' خواہ وہ اچھا ہو یا برا' اسی طرح ان کے پیچھے جمعہ کی نماز بھی درست ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) جامع ترمذی' ابواب المناقب' باب مناقب الحسن والحسین (۳۷۷۱)' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے' میری رائے میں بھی یہ حدیث صحیح ہے۔

(۲) دیکھئے: مسند امام احمد ۳/ ۱۳۷ و صحیح بخاری' کتاب المناقب' باب علامات النبوۃ (۶/ ۴۶۵' ۴۵۷) و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب مخافۃ المؤمن ان یحبط عملہ (۱۱۹)۔

"تین باتیں ایمان کی جڑ ہیں : (پہلی بات یہ ہے کہ) کلمہ گو سے ہاتھ روک لیا جائے' کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ قرار دیا جائے' نہ ہی کسی عمل کے سبب اسے دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا جائے' اور (دوسری بات یہ ہے کہ) جب سے اللہ عزوجل نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس وقت سے لے کر جہاد کا فریضہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے قتال نہ کر لیں' کسی ظالم کا ظلم' یا کسی انصاف پرور کا انصاف اس فریضہ کو ختم نہیں کر سکتا' اور (تیسری بات یہ ہے کہ) تقدیر پر ایمان رکھا جائے"۔ اسے ابو داود نے روایت کیا ہے۔ [1]

سنت پر عمل کا تقاضا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت رکھی جائے' ان کے محاسن بیان کئے جائیں' ان کے لیے اللہ سے رحمت و بخشش کی دعا کی جائے' ان کی شان میں کوئی نازیبا بات نہ کہی جائے' اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے' ساتھ ہی ان کے افضل امت ہونے کا اعتقاد رکھا جائے

---

(۱) دیکھئے : سنن ابی داود' کتاب الجہاد' باب فی الغزو مع ائمۃ الجور (۲۵۳۲) لیکن اس کی سند ضعیف ہے' کیونکہ اس میں یزید بن ابی نشبہ ہیں جو مجہول ہیں' ویسے اس حدیث کا معنی صحیح ہے۔

اور سبقت اسلام کی فضیلت کا اعتراف و اقرار کیا جائے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿وَالَّذِينَ جَاءُو مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحشر : ۱۰)-

اور (مال فے ان لوگوں کے لیے بھی ہے) جو ان اگلوں کے بعد آئے ہیں' جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں' اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کوئی بغض نہ رکھ-

دوسری جگہ فرمایا :

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح : ۲۹)-

محمد اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں نرم-

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو' تم میں کا کوئی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا

(اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا[1]۔

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، جو تمام مومنوں کی ماں اور ہر عیب سے پاک و منزہ ہیں، ان کے لیے اللہ کی رضا و خوشنودی کی دعا کی جائے۔ رضی اللہ عنہن۔ ازواج مطہرات میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ صدیقہ ہیں، وہی عائشہ جن کی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے براءت نازل فرمائی، اور جو دنیا میں بھی رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ تھیں اور آخرت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گی۔ قرآن مجید میں ان کی براءت نازل ہو جانے کے بعد اگر کوئی انہیں متہم کرے تو وہ کافر ہے۔ معاویہ تمام مومنوں کے ماموں[2] کاتب

---

(۱) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غیر صحابی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس ثواب کو نہیں پہنچ سکتا جو صحابہ کے ایک مد یا نصف مد خرچ کرنے پر اللہ نے انہیں عطا فرمایا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی صحیح کے اندر کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : "لو كنت متخذا خليلا" (۷/ ۲۷، ۲۸) میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں "کتاب فضائل الصحابہ، باب سب الصحابہ رضی اللہ عنہم (۲۵۴۱) کے تحت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(۲) معاویہ تمام مومنوں کے ماموں اس معنی میں ہیں کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ بنت ابو سفیان کے بھائی تھے، ام حبیبہ کا نام رملہ بنت صخر بن حرب ہے، رسول اللہ صلی اللہ =

وحی اور مسلم خلفاء میں سے ہیں، رضی اللہ عنہم۔

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ائمہ اور حکام کی سمع وطاعت کی جائے، خواہ وہ اچھے ہوں یا برے، بشرطیکہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں، اللہ کی معصیت و نافرمانی کے لیے کسی کی بات نہیں تسلیم کی جائے گی۔

جو شخص مسلمانوں کا خلیفہ منتخب ہوگیا اور لوگوں نے بخوشی اسے تسلیم کرلیا، یا کوئی تلوار کے زور سے خلیفہ بن بیٹھا اور امیرالمومنین کہلانے لگا تو اس کی اطاعت واجب ہوگئی، اب اس کی مخالفت کرنا یا اس کے خلاف بغاوت کرنا یا لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا جائز نہیں۔

سنت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اہل بدعت سے اجتناب کیا جائے، ان سے مفارقت اختیار کی جائے، امور دین میں ان سے جدل وجدال نہ کیا جائے، ان کی کتابیں نہ پڑھی جائیں اور ان کی گفتگو نہ سنی جائے۔ دین کے اندر ایجاد کیا گیا ہر نیا کام بدعت ہے، اور اسلام اور سنت کے علاوہ کسی اور نام کی

---

= علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو یہ اس وقت حبشہ میں تھیں اور نجاشی نے اپنی طرف سے چار سو دینار مہر ادا کیا تھا۔ ام حبیبہ کی ۴۴ھ میں مدینہ میں وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہا۔ اسی اعتبار سے معاویہ مومنوں کے ماموں ہوئے۔ شیخ الاسلام امام تیمیہ نے اپنی کتاب "منہاج السنۃ" میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ امہات المومنین کے بھائیوں کو مومنوں کے ماموں کہا جائے گا یا نہیں۔

طرف منسوب ہونے والا بدعتی ہے' مثلاً رافضہ' جہمیہ' خوارج' قدریہ' مرجئہ' معتزلہ' کرامیہ اور کلابیہ(۱) وغیرہ۔ یہ سب کے سب گمراہ اور بدعتی

---

(۱) رافضہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب کے پاس آئے اور ان سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ابو بکر اور عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ سے اپنی براءت کا اعلان کر دیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں' زید بن علی نے کہا کہ نہیں' بلکہ میں ان دونوں سے محبت و عقیدت رکھتا ہوں اور ان سے براءت ظاہر کرنے والوں سے اپنی براءت کا اعلان کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا : "اذا نرفضک" پھر تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے' چنانچہ انہوں نے زید بن علی کو چھوڑ دیا اور ان کی حمایت سے دستبردار ہو گئے اور "رافضہ" (چھوڑ دینے والے) کہلائے۔

فرقہ جہمیہ جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے' اور یہی اصل فرقہ جبریہ ہیں' اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات کی نفی کرنے میں معتزلہ کے ساتھ ہیں' لیکن بعض دیگر صفات کا بھی انکار کیا ہے۔

خوارج وہ فرقہ ہے جو بر سر اقتدار مسلم ائمہ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے' اس فرقہ کی ابتدا وہاں سے ہوئی ہے جب انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

فرقہ قدریہ کو قدریہ کہے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بندوں کے افعال کو خود ان کی قدرت کی جانب منسوب کرتا ہے اور اللہ کی تقدیر کا انکار کرتا ہے' جس کے نتیجے میں غیر اللہ بندوں کے افعال کا خالق قرار پاتا ہے۔

مرجئہ کے کئی گروہ ہیں' ان میں سے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی =

فرقے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سب سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

البتہ فروعی مسائل میں کسی امام کی طرف نسبت کرنا' مثلاً چاروں فقہی مذاہب[1] میں کسی کی طرف منسوب ہونا' تو یہ مذموم نہیں' کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے[2] اور مجتہدین اختلاف میں بھی لائق

---

= معصیت نقصان دہ نہیں' جس طرح کفر کے ساتھ کوئی اطاعت فائدہ بخش نہیں۔ اس جگہ مرجئہ کا یہی گروہ مراد ہے۔

معتزلہ وہ فرقہ ہے جو علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک فریق میں سے پیدا ہوا جس نے سیاست سے علیحدگی اختیار کی' بعض لوگوں نے کہا ہے کہ واصل بن عطاء کی زیر قیادت اس فرقہ نے حسن بصری کی مجلس سے علیحدگی اختیار کی تھی اس لیے معتزلہ (علیحدگی اختیار کرنے والے) کہلائے' معتزلہ بے شمار باطل افکار و عقائد رکھتے ہیں۔

ابو عبداللہ محمد بن کرام کے پیروکاروں کو کرامیہ کہا جاتا ہے' یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کے لئے صفات کو ثابت مانتا ہے' لیکن اس طرح کہ اس سے اللہ کے لیے جسم ہونا اور مخلوق سے مشابہ ہونا لازم آتا ہے۔

فرقۂ کلابیہ عبداللہ بن سعید بن کلاب بصری کی طرف منسوب ہے' ابن کلاب بصری متکلمین میں سے تھا اور فرقۂ کلابیہ کا امام تھا' اس کے اور معتزلہ کے درمیان بڑے مناظرے ہوئے۔ معتزلہ کی طرح یہ فرقہ بھی بے شمار باطل عقائد و افکار رکھتا ہے۔

(۱) فقہی مذاہب سے یہاں چاروں مشہور مذہب حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی مراد ہیں۔

(۲) اس عبارت سے اختلاف کی تعریف کرنا مقصود نہیں' کیونکہ اتفاق بہرحال اختلاف سے بہتر ہے' بلکہ اس جگہ اختلاف کی مذمت کی نفی مراد ہے' کیونکہ ائمہ نے اجتہاد کیا =

تعریف ہیں[1] اور اجتہاد کرنے پر ثواب کے مستحق ہیں' کسی مسئلہ میں ان کا اختلاف (اللہ کی طرف سے) وسیع رحمت[2] اور ان کا اتفاق و اجماع قطعی قطعی حجت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں بدعات و فتن سے بچائے' اسلام اور سنت پر زندہ رکھے' دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنے والوں میں شامل فرمائے' اور مرنے کے بعد اپنے فضل و کرم سے انہیں کے زمرہ میں اٹھائے' آمین۔

اسی کے ساتھ ہی عقائد سلف کا بیان ختم ہوا۔ والحمد لله وحده وصلى الله على سيدنا محمد و آلـــه وصحبه وسلم تسليماً.

---

= اور پھر جو بات حق نظر آئی اسے اختیار کیا' بھلے ہی بعض حالات میں وہ اجتہاد کرنے میں حق تک نہ پہنچ سکے' لیکن ایسی صورت میں وہ قابل مواخذہ نہیں۔

(۱) اختلاف میں لائق تعریف اس صورت میں ہیں جب اختلاف ان کے اجتہاد اور تلاش حق کی نیت سے پیدا ہو نہ کہ کسی عصبیت یا نفسانیت کی وجہ سے' کیونکہ ایسی صورت میں اختلاف سے بغض و عداوت اور افتراق و انتشار پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف اصولی مسائل میں اختلاف کرنے کی صورت میں امت کے اندر افتراق و انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔

(۲) اختلاف اس معنی میں وسیع رحمت ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کو ان کی طاقت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا ہے۔

# فہرست


| نمبر شمار | عناوین | صفحہ نمبر |
| --- | --- | --- |
| ۱ - | مقدمہ از محقق | ۳ |
| ۲ - | مؤلف کے حالات زندگی | ۹ |
| ۳ - | آغاز کتاب (لمعۃ الاعتقاد) | ۱۵ |
| ۴ - | فصل اول : توحید اسماء وصفات کا بیان | ۱۷ |
| ۵ - | فصل دوم : اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا بیان | ۳۸ |
| ۶ - | فصل سوم : قرآن کریم کے بارے میں سلف کا عقیدہ | ۴۳ |
| ۷ - | فصل چہارم : قیامت کے دن اہل ایمان کے اللہ کے دیدار سے مشرف ہونے کا بیان | ۵۰ |
| ۸ - | فصل پنجم : قضاوقدر کا بیان | ۵۲ |
| ۹ - | فصل ششم : ایمان کی حقیقت | ۵۸ |
| ۱۰ - | فصل ہفتم : امور غیب پر ایمان لانے کا بیان | ۶۱ |
| ۱۱ - | فصل ہشتم : متفرق اعتقادی مسائل کا بیان | ۷۰ |
| ۱۲ - | فہرست عناوین | |

من مطبوعات
وزارة الشؤون الإسلامية والأوقاف والدعوة والإرشاد

# لمعة الاعتقاد

تأليف
الإمام موفق الدين ابن قدامة المقدسي رحمه الله

تحقيق وتعليق
عبد القادر الأرناؤوط

ترجمة
أبو المكرم بن عبد الجليل

باللغة الأردية

أشرفت وكالة شؤون المطبوعات والنشر بالوزارة على إصداره
١٤٢١هـ